صفر المظفر ۱۴۴۰ھ
اکتوبر ۲۰۱۸ء

ماہنامہ
میثاق
لاہور

یکے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی
بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

- موجودہ اسرائیلی ریاست کا مستقبل؟
- اسلام، ڈچ گیرٹ وائلڈرز اور یورپ
- ہجرتِ بے ثمر

داعی رجوع الی القرآن، بانی تنظیم اسلامی
محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ
کے شہرۂ آفاق دورۂ ترجمہ قرآن پر مشتمل

بیانُ القرآن
ترجمہ و مختصر تفسیر

خاص ایڈیشن
- دیدہ زیب ٹائٹل
- امپورٹڈ آفسٹ پیپر
- بڑے سائز میں
- عمدہ طباعت
- مضبوط جلد

سات جلدوں پر مشتمل
مکمل سیٹ کی قیمت: 4000 روپے

عوامی ایڈیشن
- کتابی سائز
- پیپر بیک بائنڈنگ
- امپورٹڈ بک پیپر
- عمدہ طباعت
- دیدہ زیب ٹائٹل

چھ جلدوں پر مشتمل
مکمل سیٹ کی قیمت: 2200 روپے

مکتبہ خُدّام القرآن لاہور
K-36، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون 3-35869501(042)

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ (المائدۃ:۷)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل اور اس کے میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی!

ماہنامہ میثاق لاہور

اجرائے ثانی

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

جلد :	67
شمارہ :	10
صفر المظفر	1440ھ
اکتوبر	2018ء
فی شمارہ	30/-

مُدیر
حافظ عاکف سعید

نائب مُدیر
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِ تعاون

اندرون ملک	300 روپے
بھارت و بنگلہ دیش	900 روپے
ایشیا' یورپ' افریقہ وغیرہ	1200 روپے
امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ	1500 روپے

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن' لاہور 54700 ' فون: 3-35869501
فیکس: 35834000' ای میل: maktaba@tanzeem.org
ای میل برائے ادارتی امور: publications@tanzeem.org
ویب سائٹ ایڈریس: www.tanzeem.org

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: "دارُالاسلام" ملتان روڈ چوہنگ لاہور
(پوسٹل کوڈ 53800) فون: 79-35473375 (042)

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

عرضِ احوال — 5
جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے! — ادارہ

بیانُ القرآن — 9
سورۃ یٰسٓ (آیات ۳۳ تا ۸۳) — ڈاکٹر اسرار احمدؒ

مطالعۂ قرآن حکیم — 25
نورِ ایمان کے اجزائے ترکیبی:
نورِ فطرت اور نورِ وحی — شجاع الدین شیخ

بحث و نظر — 34
موجودہ اسرائیلی ریاست کا مستقبل؟ — محمد نذیر یاسین

ظروف و احوال — 45
عید قربان: فریضۂ خداوندی
اور بین الاقوامی معاشی سرگرمیاں — محمد ندیم اعوان

السَّابِقُون الاَوَّلُون — 57
حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا — جہاں آرا لطفی

دعوتِ فکر — 61
ہجرت بے ثمر — مسز بینا حسین خالدی

وہ کیا گردوں تھا......! — 68
مسلمانوں کا تابناک ماضی
اور نئی نسل کی تاریخ فراموشی — محمد عبداللہ بن شمیم ندوی

فقہ و اصولِ فقہ — 79
اصلی اور فرعی مسائل میں
مخالفین کے ساتھ برتاؤ کے فقہی ضابطے (۲) — ڈاکٹر احمد بن سعد الغامدیؒ

بزمِ جہاں — 91
اسلام' ڈچ گیرٹ وائلڈرز اور یورپ — محمد عمران خان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جن پہ تکیہ تھا وہی پتّے ہوا دینے لگے!

اُمت لہولہان ہے۔ برما سے لے کر شام تک اور یمن سے لے کر کشمیر تک ہر جگہ خونِ مسلم سے زمین رنگین ہو رہی ہے۔ کشمیر میں تاریخ کا بدترین ظلم سامنے آیا ہے۔ بھارت تمام تر اخلاقی تقاضوں کو بالائے طاق رکھ کر بربریت اور سفاکیت کے نئے ریکارڈ قائم کر رہا ہے۔ شہادتیں روز بروز بڑھ رہی ہیں‘ لگاتار کرفیو سے کاروبار اور روزگار بری طرح سے متاثر ہوا ہے‘ لاکھوں لوگ پیلٹ گنوں کے فائر سے بینائی سے محروم ہو چکے ہیں۔ سفاکیت کی تمام تر حدوں کو عبور کرتے ہوئے بھارتی فوج نہتے کشمیریوں کی لاشیں سڑکوں پر گھسیٹ رہی ہے اور ان تمام مظالم کو دنیا سے اوجھل رکھنے کے لیے موبائل اور انٹرنیٹ سروس کو مسلسل بند کیے ہوئے ہے۔ دوسری طرف فلسطین میں بھی اسرائیلی سفاکیت کھل کر سامنے آ رہی ہے اور اس سفاکیت میں امریکہ بھی اسرائیل کا پورا پورا معاون بنا ہوا ہے۔ امریکہ نے واشنگٹن میں فلسطینی سفارتخانے کو بند کرنے کا حکم دے دیا ہے‘ جس کا واضح مطلب ہے کہ عالمی طاقتیں فلسطینیوں کی رہی سہی آزادی اور خودمختاری بھی چھین کر انہیں یہودیوں کا محکوم بنانا چاہتی ہیں۔ ادھر ادلب میں مسلمانوں کی خونریزی کا ایک اور اندوہناک منصوبہ بھی تکمیل کے مراحل میں ہے‘ جس کے بعد شام کے کھنڈرات بنتے ہوئے شہروں میں ایک اور کھنڈر کا اضافہ ہو جائے گا۔ ادلب میں اس وقت تین لاکھ مسلمان مردوں‘ عورتوں اور بچوں کی زندگیاں شدید خطرے میں ہیں۔ ان ہولناک حالات میں پونے دو ارب آبادی پر مشتمل اُمت مسلمہ کہاں ہے؟ اُمت کا درد کہاں ہے؟ دردِ اُمت رکھنے والے کہاں ہیں؟ کچھ سجھائی نہیں دے رہا!

کبھی یہ اُمت واقعی ایک جسدِ واحد کی مانند تھی‘ جس کے ایک حصے کا درد دوسرے حصے میں محسوس کیا جاتا تھا۔ کم از کم ایک صدی قبل تک بھی صورتحال آج سے کافی مختلف تھی‘ جبکہ اُس

وقت اُمت یورپی استعمار کی غلامی میں آ چکی تھی۔ اس کے باوجود بھی جب تنسیخ خلافت کا سانحہ استنبول میں پیش آیا تو برصغیر کے مسلمانوں نے اس کا درد محسوس کرتے ہوئے یہاں تحریکِ خلافت چلائی‘ حالانکہ مسلمانانِ برصغیر اُس وقت انگریزوں کے زیرعتاب تھے‘ پھر تنسیخِ خلافت اور سلطنتِ عثمانیہ کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے بعد جب استعماری طاقتوں نے مسلمان اُمت کے عین قلب میں یہودی ریاست اسرائیل کی بنیاد فلسطینیوں کی لاشوں پر رکھنی شروع کی تو اس وقت بھی حالانکہ فلسطین برطانیہ کا مقبوضہ علاقہ بن چکا تھا‘ اُمت کے دردمندوں نے فلسطین میں اسلامی کانفرنسیں منعقد کر کے دردِ اُمت کا کچھ نہ کچھ ثبوت دیا۔

اس کے بعد ۱۹۶۷ء میں عرب اسرائیل جنگ بھی یہ ثابت کر رہی تھی کہ اُمت کا درد ابھی کچھ نہ کچھ باقی ہے۔ پھر اُمت کا یہی درد افغانستان میں روس کی پیش قدمی روکنے میں بھی نظر آ رہا تھا۔ خود ہمارے ہاں نہ صرف عوامی سطح پر بلکہ ریاست کی سطح پر بھی اُمت کے درد کا رنگ غالب نظر آ رہا تھا۔ اس کے کافی عرصہ بعد تک بھی اسلامی کانفرنسوں میں‘ بین الاقوامی اسلامی فورمز پر اور مسلمان راہنماؤں اور حکمرانوں کے بیانوں میں کہیں کہیں فلسطین اور کشمیر کا ذکر آ جاتا تھا‘ مگر اب پوری اُمت لہولہان ہے۔ اُمت کا کون سا ایسا حصہ ہے جو درد‘ تکلیف اور کرب میں ڈوبا نہیں ہوا؟ کون سی ایسی آفت ہے جو ہر کجا مسلمانوں کا پیچھا نہیں کر رہی؟ دنیا میں کونسی ایسی جگہ ہے جہاں مسلمانوں کا خون نہیں بہہ رہا‘ اُن کی بستیاں نہیں اُجڑ رہیں‘ اُن کے لاشوں کے مُثلے نہیں کیے جا رہے اور انہیں بے گھر نہیں کیا جا رہا ہے؟ مگر دردِ اُمت ہے کہ کہیں نظر نہیں آ رہا۔ بلکہ اگر کہیں نظر بھی آتا ہے تو اس کو دبانے کے لیے اپنے ہی لوگوں میں سے ایک طبقہ آگے آ جاتا ہے۔ مثلاً مصر کے اخوان اسرائیل کے لیے خطرہ تھے تو انہیں مٹانے کے لیے السیسی کی قیادت میں مصری فوج آگے آ گئی۔ شام اور عراق جب تک خانہ جنگی کا شکار نہیں ہوئے تھے تو اسرائیل خفیہ انداز میں احتیاط سے قدم آگے بڑھاتا تھا‘ مگر اپنوں ہی کی کشمکش کے بعد ان دونوں ملکوں میں جو تبدیلیاں آئی ہیں اس کے بعد اب وہ اسرائیل کے لیے کوئی خطرہ نہیں رہے۔ لہٰذا وہ من مانی پر اُتر آیا ہے اور فلسطینیوں کا قتل عام شروع کر دیا ہے۔ شام میں بھی جب چاہتا‘ جہاں چاہتا ہے بمباری کرتا ہے۔ اسی طرح کی تبدیلیاں دوسرے اسلامی ملکوں

میں بھی لائی جارہی ہیں یا لانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ سعودی عرب میں ماڈرنائزیشن کے نام پر جو ایجنڈا مسلّط کیا جاچکا ہے وہ بظاہر شدت پسندی اور انتہا پسندی کو اُکھاڑ پھینکنے کا دوسرا نام ہے‘ لیکن حقیقت میں دردِ اُمت رکھنے والوں کو لگام ڈالنا ہی مطلوب ہے۔ ترکی کے صدر طیب اردگان اگرچہ اُمت کا کچھ درد رکھتے ہیں مگر ان کا علاج بھی امریکہ کے پاس گولن کی صورت میں موجود ہے۔

پاکستان میں پرویز مشرف نے ”سب سے پہلے پاکستان“ کا جو سلوگن متعارف کروایا اس کا مطلب بھی دردِ اُمت کو مٹانا ہی تھا۔ افغانستان میں دردِ اُمت کی عملی صورت جہاد کی صورت میں نظر آئی تو وہاں امریکہ اپنے چالیس اتحادیوں کے ساتھ خود آموجود ہوا‘ اور پاکستان اور افغانستان سے بھی ایک طبقہ اتحادیوں کو ایسا ضرور مل گیا جو اس دردِ اُمت کو مٹانے کے لیے ان کے ساتھ ہو گیا۔ بنگلہ دیش میں یہی خدمات حسینہ واجد جماعت اسلامی کے اکابرین کو پھانسی چڑھا کر سرانجام دے رہی ہے۔ غرض ہر ایک اسلامی ملک میں دردِ اُمت کو دبانے کا اہتمام کسی نہ کسی صورت میں موجود ہے۔

خاص طور پر نائن الیون کے بعد اس اہتمام کو مزید بہتر بنانے کے لیے یا تو مسلم حکومتوں کا بیانیہ بدلا گیا۔ جو نہیں بدل سکتے تھے ان کی حکومتیں بدل دی گئیں یا پھر حکومتوں کے اندر ایسے لوگوں کو لانے کی کوشش کی گئی جو دردِ اُمت رکھنے والوں کو سبق سکھا سکیں۔ پاکستان میں قادیانیوں کو حکومتی ایوانوں تک رسائی دلانے کی کوشش بھی اسی اہتمام کا حصہ ہو سکتی ہے‘ کیونکہ اسلام دشمن قوتیں یہی چاہتی ہیں کہ حکومتوں میں ایسے لوگ آئیں جو عالمی طاقتوں کے ساتھ مل کر دردِ اُمت رکھنے والوں کا ”علاج“ کر سکیں۔ لہٰذا آج تمام اسلامی ممالک کی حکومتوں میں اکثریت میں ایسے ہی لوگ بیٹھے ہیں اور یہی وہ وقت ہے کہ اسرائیل گریٹر اسرائیل بن رہا ہے۔ وہ نہ صرف تمام تر بین الاقوامی قوانین وضوابط کو پاؤں کی ٹھوکر پر رکھتے ہوئے کُل کے کُل بیت المقدس کو اپنا دارالخلافہ بنا رہا ہے بلکہ آئے دن فلسطینیوں کے قتلِ عام میں اضافہ کرتے ہوئے اور دوسری طرف ان کی زمینوں پر نئی یہودی بستیاں بسا کر وہاں کے ڈیموگرافک سٹرکچر کو بھی سرِعام اپنے حق میں تبدیل کر رہا ہے۔ اسی کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے بھارت نے بھی

ایک طرف آسام میں چالیس لاکھ مسلمانوں کو شہریت سے محروم کر کے دربدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور کر دیا ہے اور دوسری طرف جموں وکشمیر کے ڈیموگرافک سٹرکچر کو تبدیل کرنے کے لیے جہاں کشمیریوں کے قتلِ عام میں بے تحاشا اضافہ کر دیا ہے وہاں آئین کی شق 35-A میں ترامیم کر کے کشمیر میں ہندو بستیاں بسانے کی کوشش کی بھی ہو رہی ہے۔ اب تک ہم روہنگیا اور بہاری مسلمانوں کو رو رہے تھے جنہیں اپنی ہی سرزمین میں اجنبی کر دیا گیا‘ مگر اب آسام کے مسلمان بھی اسی صورتحال سے دوچار ہو چکے ہیں کہ نہ اب انہیں اپنی دھرتی پر ہی جگہ ملے گی اور نہ ہی بنگلہ دیش انہیں قبول کرے گا۔

ہم اُمت کے بہتے لہو کا ذمہ دار ہمیشہ عالمی طاقتوں کو قرار دے کر بریٔ الذمہ ہو جاتے ہیں‘ مگر یہ نہیں سوچتے کہ عالمی طاقتوں یا غیر مسلموں کو مسلمانوں پر اس ظلم وستم کی شہ کہاں سے مل رہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ظلم کی ان تمام تر تاریکیوں اور طوالتوں کے ذمہ دار مسلمان عوام بھی ہیں‘ کیونکہ عوام جانتے ہی نہیں کہ جنہیں ہم راہبر مانتے ہیں وہی راہزن ہیں۔ عوام کا حکمرانوں سے صرف یہ تعلق ہے کہ وہ اُنہیں ذاتی فائدہ پہنچائیں۔ اسلام اور اُمتِ مسلمہ کے حوالے سے عوام بے فکر ہیں اور ظاہر ہے حکمران تو عوام کی نمائندگی کرتے ہیں۔ بنگلہ دیش میں اسلام سے محبت کرنے والوں کو پھانسیاں دی جائیں یا شام میں بچوں کا قتل عام کیمیائی ہتھیاروں سے کیا جائے مسلمان عوام اور حکمرانوں کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ اس صورت میں اگر بنگلہ دیش کی مسلمان حکومت اپنے ہی مسلمان شہریوں کو کسی دوسرے اسلامی ملک کی حمایت کرنے کے جرم میں پھانسیاں چڑھائے گی تو پھر بھارت کو مسلمانوں کی شہریت چھین لینے سے کون روکے گا؟ جب شام میں مسلمانوں کی پوری پوری بستیوں کو کیمیائی ہتھیاروں سے نیست ونابود کر دیا جائے گا تو پھر اسرائیل اور بھارت کو فلسطین اور کشمیر میں ظلم وستم کرنے سے کون روکے گا؟ جب ایران شام میں اور سعودی عرب یمن میں روز بمباریاں کریں گے تو پھر امریکہ کو افغانستان میں اور روس کو شام میں بمباریاں کرنے سے کون روکے گا؟

حقیقت یہ ہے کہ اسرائیل اور بھارت نے بھی آج تک مسلمانوں پر اتنے ستم ڈھانے کی جرأت نہیں کی جتنی سفاکی سے شام میں مسلمانوں کا صفایا کیا گیا ہے۔ (باقی صفحہ 98 پر)

دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سورۃ یٰسٓ

آیات ۳۳ تا ۵۰

وَاٰیَۃٌ لَّھُمُ الْاَرْضُ الْمَیْتَۃُ ۚۖ اَحْیَیْنٰھَا وَاَخْرَجْنَا مِنْھَا حَبًّا فَمِنْہُ یَاْکُلُوْنَ ﴿۳۳﴾
وَجَعَلْنَا فِیْھَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِیْھَا مِنَ الْعُیُوْنِ ﴿۳۴﴾
لِیَاْکُلُوْا مِنْ ثَمَرِہٖ ۙ وَمَا عَمِلَتْہُ اَیْدِیْھِمْ ؕ اَفَلَا یَشْکُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ سُبْحٰنَ الَّذِیْ
خَلَقَ الْاَزْوَاجَ کُلَّھَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِھِمْ وَمِمَّا لَا
یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَاٰیَۃٌ لَّھُمُ الَّیْلُ ۚۖ نَسْلَخُ مِنْہُ النَّھَارَ فَاِذَا ھُمْ مُّظْلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾
وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّھَا ؕ ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ﴿۳۸﴾ وَالْقَمَرَ
قَدَّرْنٰہُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ کَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ ﴿۳۹﴾ لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَھَاۤ
اَنْ تُدْرِکَ الْقَمَرَ وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّھَارِ ؕ وَکُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ ﴿۴۰﴾ وَاٰیَۃٌ
لَّھُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّیَّتَھُمْ فِی الْفُلْکِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۴۱﴾ وَخَلَقْنَا لَھُمْ مِّنْ مِّثْلِہٖ مَا
یَرْکَبُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْھُمْ فَلَا صَرِیْخَ لَھُمْ وَلَا ھُمْ یُنْقَذُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِلَّا
رَحْمَۃً مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰی حِیْنٍ ﴿۴۴﴾ وَاِذَا قِیْلَ لَھُمُ اتَّقُوْا مَا بَیْنَ اَیْدِیْکُمْ وَمَا
خَلْفَکُمْ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَمَا تَاْتِیْھِمْ مِّنْ اٰیَۃٍ مِّنْ اٰیٰتِ رَبِّھِمْ اِلَّا کَانُوْا
عَنْھَا مُعْرِضِیْنَ ﴿۴۶﴾ وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ ۙ قَالَ الَّذِیْنَ
کَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ یَشَآءُ اللّٰہُ اَطْعَمَہٗۤ ۖ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِیْ
ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۴۷﴾ وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی ھٰذَا الْوَعْدُ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۴۸﴾ مَا
یَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَیْحَۃً وَّاحِدَۃً تَاْخُذُھُمْ وَھُمْ یَخِصِّمُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ
تَوْصِیَۃً وَّلَاۤ اِلٰۤی اَھْلِھِمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۵۰﴾

آیت ۳۳ ﴿وَاٰیَۃٌ لَّھُمُ الْاَرْضُ الْمَیْتَۃُ ۚۖ﴾ ’’اور ان کے لیے ایک نشانی مُردہ زمین ہے‘‘ ﴿اَحْیَیْنٰھَا وَاَخْرَجْنَا مِنْھَا حَبًّا فَمِنْہُ یَاْکُلُوْنَ ﴿۳۳﴾﴾ ’’ہم نے اسے زندہ کیا اور اس سے اناج نکالا‘ تو اس میں سے وہ کھاتے ہیں۔‘‘

بارش برستے ہی بظاہر مردہ اور بنجر زمین میں زندگی کے آثار نمودار ہو جاتے ہیں اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے طرح طرح کا سبزہ‘ فصلیں اور پودے اُگ آتے ہیں جو انسانوں اور جانوروں کی خوراک کا ذریعہ بنتے ہیں۔

آیت ۳۴ ﴿وَجَعَلْنَا فِیْھَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّاَعْنَابٍ﴾ ’’اور ہم نے بنا دیے ہیں اس میں باغات کھجور اور انگور کے‘‘

﴿وَّفَجَّرْنَا فِیْھَا مِنَ الْعُیُوْنِ ﴿۳۴﴾﴾ ’’اور جاری کر دیے ہیں ہم نے اس میں چشمے۔‘‘

آیت ۳۵ ﴿لِیَاْکُلُوْا مِنْ ثَمَرِہٖ ۙ وَمَا عَمِلَتْہُ اَیْدِیْھِمْ ؕ اَفَلَا یَشْکُرُوْنَ ﴿۳۵﴾﴾ ’’تاکہ یہ ان کے پھلوں میں سے کھائیں‘ اور یہ سب ان کے ہاتھوں نے تو نہیں بنایا‘ تو کیا تم لوگ شکر نہیں کرتے؟‘‘

یہ کھجوریں‘ انگور اور طرح طرح کے دوسرے پھل جو یہ لوگ کھاتے ہیں‘ یہ ان کے ہاتھوں کے بنائے ہوئے تو نہیں ہیں۔ یہ مضمون سورۃ الواقعہ کے دوسرے رکوع میں زیادہ زوردار اور مؤثر انداز میں بیان ہوا ہے۔ وہاں تکرار کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مختلف تخلیقات کا ذکر کر کے ہر بار یہ سوال کیا گیا ہے کہ ذرا بتاؤ! یہ چیز تم نے بنائی ہے یا اس کو بنانے والے ہم ہیں؟ علامہ اقبال نے اس مضمون کی ترجمانی یوں کی ہے: ؎

پالتا ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون؟
کون دریاؤں کی موجوں سے اٹھاتا ہے سحاب؟
کون لایا کھینچ کر پچھم سے بادِ سازگار؟
خاک یہ کس کی ہے؟ کس کا ہے یہ نورِ آفتاب؟

آیت ۳۶ ﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ کُلَّھَا﴾ ’’پاک ہے وہ ذات جس نے پیدا کیا ہے تمام جوڑوں کو‘‘

﴿مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِھِمْ وَمِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾﴾ ’’اُس میں سے

بھی جوڑ میں اُگاتی ہے‘ اور خود ان کی اپنی جانوں سے بھی اور اُس میں سے بھی جن کے بارے میں یہ نہیں جانتے۔‘‘

زمین سے اُگنے والے سب نباتات بھی جوڑوں کی شکل میں ہیں‘ انسانوں کی تخلیق بھی جوڑوں کی صورت میں ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ کی بہت سی دوسری مخلوقات بھی جوڑوں کی شکل میں ہیں جن کے بارے میں انسان ابھی جانتا بھی نہیں ہے۔

آیت ۳۷ ﴿وَاٰیَۃٌ لَّھُمُ الَّیۡلُ ۚۖ نَسۡلَخُ مِنۡہُ النَّھَارَ فَاِذَا ھُمۡ مُّظۡلِمُوۡنَ ۝۳۷﴾ ’’اور ان کے لیے ایک نشانی رات بھی ہے‘ ہم کھینچ لیتے ہیں اُس سے دن کو‘ تو اُس وقت یہ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں۔‘‘

یہ ایسے ہے جیسے ایک سیاہ چادر بچھی ہو‘ جسے ایک چمکدار چادر نے ڈھانپ رکھا ہو۔ پھر اوپر والی سفید اور چمکدار چادر کھینچ لی جائے اور نیچے سے سیاہ چادر نمودار ہو جائے۔

آیت ۳۸ ﴿وَالشَّمۡسُ تَجۡرِیۡ لِمُسۡتَقَرٍّ لَّھَا ؕ﴾ ’’اور سورج چلتا رہتا ہے اپنے مقررہ راستے پر۔‘‘

یعنی اپنے ایک معین مدار پر گردش کرتا ہے۔

﴿ذٰلِکَ تَقۡدِیۡرُ الۡعَزِیۡزِ الۡعَلِیۡمِ ۝۳۸﴾ ’’یہ اندازہ مقرر کیا ہوا ہے اُس کا جو بہت زبردست‘ بہت علم والا ہے۔‘‘

آیت ۳۹ ﴿وَالۡقَمَرَ قَدَّرۡنٰہُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ کَالۡعُرۡجُوۡنِ الۡقَدِیۡمِ ۝۳۹﴾ ’’اور چاند کی ہم نے منزلیں مقرر کر دی ہیں‘ یہاں تک کہ وہ پھر کھجور کی پرانی سوکھی ٹہنی کی طرح ہو جاتا ہے۔‘‘

ستائیسویں شب کی صبح کو دیکھیں تو چاند واقعی ایک سوکھی ہوئی ٹہنی کی طرح دکھائی دیتا ہے۔

آیت ۴۰ ﴿لَا الشَّمۡسُ یَنۡۢبَغِیۡ لَھَاۤ اَنۡ تُدۡرِکَ الۡقَمَرَ وَلَا الَّیۡلُ سَابِقُ النَّھَارِ ؕ﴾ ’’نہ تو سورج کے لیے ممکن ہے کہ وہ چاند کو پکڑ لے اور نہ ہی رات دن سے آگے نکل سکتی ہے۔‘‘

جب تک یہ دنیا قائم ہے یہ دونوں ایک دوسرے کے آگے پیچھے ہی چلتے رہیں گے۔

﴿وَکُلٌّ فِیۡ فَلَکٍ یَّسۡبَحُوۡنَ ۝۴۰﴾ ’’اور یہ سب اپنے اپنے دائرے میں تیر رہے ہیں۔‘‘

یہ تمام اجرامِ سماویہ بہت منظم انداز میں اپنے اپنے مدار کے اندر محوِ گردش ہیں۔

آیت ۴۱ ﴿وَاٰیَۃٌ لَّھُمۡ اَنَّا حَمَلۡنَا ذُرِّیَّتَھُمۡ فِی الۡفُلۡکِ الۡمَشۡحُوۡنِ ۝۴۱﴾ ’’اور ان کے لیے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ ہم نے ان کی نسل کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کر دیا۔‘‘

اس بارے میں عام رائے یہی ہے کہ اس سے خاص طور پر حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی مراد ہے۔

آیت ۴۲ ﴿وَخَلَقۡنَا لَھُمۡ مِّنۡ مِّثۡلِہٖ مَا یَرۡکَبُوۡنَ ۝۴۲﴾ ’’اور ہم نے ان کے لیے اسی طرح کی اور چیزیں بھی پیدا کر دیں جن پر یہ لوگ سواری کرتے ہیں۔‘‘

آیت ۴۳ ﴿وَاِنۡ نَّشَاۡ نُغۡرِقۡھُمۡ فَلَا صَرِیۡخَ لَھُمۡ وَلَا ھُمۡ یُنۡقَذُوۡنَ ۝۴۳﴾ ’’اور اگر ہم چاہیں تو انہیں غرق کر دیں‘ پھر نہ تو ان کا کوئی فریاد رس ہو گا اور نہ ہی وہ چھڑائے جائیں گے۔‘‘

آیت ۴۴ ﴿اِلَّا رَحۡمَۃً مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰی حِیۡنٍ ۝۴۴﴾ ’’مگر یہ ہماری طرف سے رحمت ہے اور فائدہ اٹھانا ہے ایک وقتِ معین تک کے لیے۔‘‘

ہم نے اپنی خصوصی رحمت سے اس زمین کے ماحول کو انسانی زندگی کے لیے سازگار بنایا ہے اور اس میں انسانوں کے رہنے اور بسنے کے لیے ضرورت کا تمام ساز وسامان فراہم کر دیا ہے۔

آیت ۴۵ ﴿وَاِذَا قِیۡلَ لَھُمُ اتَّقُوۡا مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡکُمۡ وَمَا خَلۡفَکُمۡ لَعَلَّکُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ۝۴۵﴾ ’’اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ سبق حاصل کرو اُس سے جو تمہارے سامنے ہے اور جو تمہارے پیچھے ہے تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔‘‘

یہاں پر اِتَّقُوۡا بچنے اور ڈرنے کے بجائے سوچنے‘ توجہ کرنے اور عبرت حاصل کرنے کے معنی میں آیا ہے۔ اس طرح نگاہوں کے سامنے سے مراد آیاتِ آفاقیہ (آلاء اللہ) اور پیچھے سے مراد نسلِ انسانی کی پرانی تاریخ (ایام اللہ) ہے۔ (مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو زیر مطالعہ سورۃ کی آیت ۹ کی تشریح)

آیت ۴۶ ﴿وَمَا تَاۡتِیۡھِمۡ مِّنۡ اٰیَۃٍ مِّنۡ اٰیٰتِ رَبِّھِمۡ اِلَّا کَانُوۡا عَنۡھَا مُعۡرِضِیۡنَ ۝۴۶﴾ ’’اور نہیں آتی ان کے پاس کوئی نشانی ان کے رب کی نشانیوں میں سے مگر یہ اس سے اعراض ہی کرتے ہیں۔‘‘

آیت ۴۷ ﴿وَاِذَا قِیۡلَ لَھُمۡ اَنۡفِقُوۡا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ ۙ﴾ ’’اور جب ان سے کہا جاتا ہے

کہ خرچ کرو اس میں سے جو اللہ نے تمہیں دیا ہے‘‘

یعنی اللہ کے دیے ہوئے رزق میں سے غریبوں کی حاجت روائی کرو‘ بھوکوں کو کھلاؤ‘ یتیموں کی سرپرستی کرو‘ خلقِ خدا کی بہبود اور بھلائی کے دوسرے کاموں میں خرچ کرو۔

﴿قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗٓ﴾ ’’تو یہ کافر کہتے ہیں اہلِ ایمان سے کہ کیا ہم انہیں کھلائیں جنہیں اللہ چاہتا تو خود کھلا دیتا!‘‘

اس کے جواب میں ان کی دلیل یہ ہوتی ہے کہ اللہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ اگر چاہتا کہ یہ لوگ بھوکے نہ رہیں تو وہ انہیں خود ہی وافر رزق عطا کر دیتا‘ لیکن اگر اللہ نے انہیں ان کی ضروریات کے مطابق رزق نہیں دیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خود انہیں اسی حالت میں رکھنا چاہتا ہے۔ تو کیا ہم انہیں کھلائیں جنہیں اللہ نے ہی کھلانا نہیں چاہا؟

﴿اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۴۷﴾ ’’تم تو خود ہی صریح گمراہی میں پڑے ہوئے ہو!‘‘

یہ جواب ہے ان کافروں کا نصیحت کرنے والوں کو کہ تم لوگ ہمیں کیا نصیحتیں کرتے ہو‘ تمہاری تو مت ماری گئی ہے‘ تم تو خود بھٹکے ہوئے ہو‘ تمہاری یہ بات اور نصیحت عقل اور منطق ہی کے خلاف ہے کہ خوشحال لوگ غرباء و مساکین کا خیال رکھیں اور بھوکوں کو کھانا کھلائیں۔

آیت ۴۸ ﴿وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۴۸﴾ ’’اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا‘ اگر تم لوگ سچے ہو!‘‘

یہاں وعدے سے قیامت کا وعدہ بھی مراد ہو سکتا ہے اور عذاب آنے کا وعدہ بھی۔ یعنی آپ کا دعویٰ تو یہ ہے کہ ایمان نہ لانے کی پاداش میں ہم پر اللہ کا عذاب ٹوٹ پڑے گا۔ چنانچہ ہم آپ کی دعوت کا انکار تو کر چکے ہیں‘ اب وہ عذاب ہم پر آخر کب آئے گا؟ یا اگر قیامت کے بارے میں آپ کا دعویٰ سچا ہے تو ذرا یہ بھی بتا دیں کہ قیامت آخر کب برپا ہوگی؟

آیت ۴۹ ﴿مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ ۝۴۹﴾ ’’یہ لوگ نہیں انتظار کر رہے مگر ایک چنگھاڑ کا‘ وہ انہیں آ پکڑے گی اور یہ (اسی طرح) جھگڑ رہے ہوں گے۔‘‘

آیت ۵۰ ﴿فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً وَّلَآ اِلٰٓى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ ۝۵۰﴾ ’’پھر نہ تو وہ کوئی

وصیت ہی کر سکیں گے اور نہ ہی اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ کر جا سکیں گے۔‘‘

وہ معاملہ اس قدر اچانک ہوگا کہ جو کوئی جس حالت میں ہوگا اسی حالت میں اس کا شکار ہو جائے گا۔ قبل ازیں اسی سورت میں اس منظر اور کیفیت کا ایک نقشہ ان الفاظ میں کھینچا گیا ہے: ﴿اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ ۝۲۹﴾ ’’وہ تو بس ایک زوردار چنگھاڑ تھی‘ تو جبھی وہ سب بجھ کر رہ گئے۔‘‘

آیات ۵۱ تا ۶۸

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ۝۵۱ قَالُوْا يٰوَيْلَنَا
مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۜ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ۝۵۲
اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ۝۵۳ فَالْيَوْمَ لَا
تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۵۴ اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ
الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ۝۵۵ هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآىِٕكِ
مُتَّكِــُٔوْنَ ۝۵۶ لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ ۝۵۷ سَلٰمٌ ۣ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ
رَّحِيْمٍ ۝۵۸ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۝۵۹ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ
لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝۶۰ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ
مُّسْتَقِيْمٌ ۝۶۱ وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا ۭ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ۝۶۲ هٰذِهٖ
جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝۶۳ اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝۶۴ اَلْيَوْمَ
نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا
يَكْسِبُوْنَ ۝۶۵ وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى
يُبْصِرُوْنَ ۝۶۶ وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّلَا
يَرْجِعُوْنَ ۝۶۷ وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ ۭ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ۝۶۸

آیت ۵۱ ﴿وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ۝۵۱﴾ ’’اور صور پھونکا جائے گا تو وہ یکایک قبروں سے (نکل کر) اپنے رب کی طرف دوڑ پڑیں گے۔‘‘

وہ چاروناچار‘ کشاں کشاں اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونے کے لیے بھاگے چلے جا رہے ہوں گے۔

آیت ۵۲ ﴿قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۜ﴾ ”وہ کہیں گے: ہائے ہماری شامت! ہمیں کس نے اُٹھا دیا ہماری قبروں سے؟“

﴿هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ۝۵۲﴾ ”(پھر خود ہی کہیں گے:) ارے یہ تو وہی (دن) ہے جس کا رحمٰن نے وعدہ کیا تھا اور پیغمبروں نے سچ کہا تھا۔“

پیغمبروں نے بعث بعد الموت کے بارے میں جو خبریں دی تھیں وہ سب کی سب سچ ثابت ہوئیں اور آج واقعی وہ دن آن پہنچا ہے جس کے بارے میں وہ ہمیں بار بار یاد دہانی کرایا کرتے تھے۔

آیت ۵۳ ﴿اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ۝۵۳﴾ ”(پھر) ایک ہی چنگھاڑ ہوگی تو (اس کے نتیجے میں) وہ سب کے سب ہمارے حضور حاضر کر دیے جائیں گے۔“

آیت ۵۴ ﴿فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۵۴﴾ ”پس آج کے دن کسی جان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا اور تمہیں بدلے میں نہیں دیا جائے گا مگر وہی کچھ جو تم عمل کرتے رہے تھے۔“

آیت ۵۵ ﴿اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ۝۵۵﴾ ”یقیناً اہلِ جنت اُس دن مزے کرنے میں مشغول ہوں گے۔“

آیت ۵۶ ﴿هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآىِٕكِ مُتَّكِـُٔوْنَ ۝۵۶﴾ ”وہ اور ان کی بیویاں سائے میں تختوں کے اوپر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے۔“

آیت ۵۷ ﴿لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ ۝۵۷﴾ ”اس میں ان کے لیے تمام میوے ہوں گے اور ان کے لیے ہر وہ شے ہوگی جو وہ طلب کریں گے۔“

آیت ۵۸ ﴿سَلٰمٌ ۣ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ۝۵۸﴾ ”سلام کہا جائے گا ربِّ رحیم کی طرف سے۔“

جنت میں اللہ کی طرف سے ان کے لیے سلامتی کے پیغامات آتے رہیں گے۔

آیت ۵۹ ﴿وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۝۵۹﴾ ”اور (اعلان کیا جائے گا:) اے مجرمو! آج تم الگ ہو جاؤ۔“

پھر تمام کافر اور مشرک لوگوں کو چھانٹ کر الگ کر لیا جائے گا اور انہیں مخاطب کر کے پوچھا جائے گا:

آیت ۶۰ ﴿اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝۶۰﴾ ”اے آدم کی اولاد! کیا میں نے تم سے یہ وعدہ نہیں لے لیا تھا کہ تم شیطان کی بندگی مت کرنا‘ بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔“

آیت ۶۱ ﴿وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝۶۱﴾ ”اور میری ہی بندگی کرنا۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔“

آیت ۶۲ ﴿وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا ۭ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ۝۶۲﴾ ”اور وہ تو تم میں سے بہت بڑی تعداد کو گمراہ کر کے لے گیا‘ تو کیا تم لوگ عقل سے کام نہیں لیتے تھے!“

آیت ۶۳ ﴿هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝۶۳﴾ ”اب یہ جہنم حاضر ہے جس کا تم کو وعدہ دیا جاتا تھا۔“

آیت ۶۴ ﴿اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝۶۴﴾ ”آج اس میں داخل ہو جاؤ اپنے کفر کی وجہ سے جو تم کرتے رہے تھے۔“

آیت ۶۵ ﴿اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓي اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ﴾ ”آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے باتیں کریں گے“

﴿وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝۶۵﴾ ”اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے اس کمائی کے بارے میں جو وہ کرتے رہے تھے۔“

مجرمین کے اپنے اعضاء ان کے خلاف گواہی دیں گے کہ ہمارے ذریعے سے انہوں نے فلاں فلاں غلط کام کیے تھے۔

آیت ۶۶ ﴿وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓي اَعْيُنِهِمْ﴾ ”اور اگر ہم چاہیں تو ان کی آنکھیں

مٹا دیں‘‘

﴿فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ ﴿٦٦﴾﴾ ’’پھر یہ دوڑیں راستہ پانے کے لیے لیکن کہاں دیکھ سکیں گے؟‘‘

آیت ۶۷ ﴿وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ﴾ ’’اور اگر ہم چاہیں تو ان کی صورتیں مسخ کر دیں ان کے اپنے مقام پر‘‘

یعنی اگر اللہ چاہے تو وہ جہاں‘ جس حالت میں ہوں وہیں پر ان کی صورتیں مسخ ہو جائیں۔

﴿فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ ﴿٦٧﴾﴾ ’’تو نہ وہ آگے چل سکیں اور نہ پیچھے لوٹ سکیں۔‘‘

آیت ۶۸ ﴿وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ ؕ﴾ ’’اور جس کو ہم زیادہ عمر دیتے ہیں اس کی خلقت میں ضعف پیدا کر دیتے ہیں۔‘‘

ظاہر ہے جب بڑھاپا آتا ہے تو انسان کے قویٰ کمزور ہو جاتے ہیں۔

مضمحل ہو گئے قویٰ غالب
وہ عناصر میں اعتدال کہاں؟

﴿اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿٦٨﴾﴾ ’’تو کیا یہ لوگ عقل سے کام نہیں لیتے؟‘‘

آیات ۶۹ تا ۸۳

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿٦٩﴾ لِّيُنْذِرَ
مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿٧٠﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا
عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ﴿٧١﴾ وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ
وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ ﴿٧٢﴾ وَلَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ؕ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٧٣﴾ وَاتَّخَذُوْا
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿٧٤﴾ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ ۙ وَهُمْ لَهُمْ
جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ﴿٧٥﴾ فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا
يُعْلِنُوْنَ ﴿٧٦﴾ اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ

مُّبِيْنٌ ﴿٧٧﴾ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ؕ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ
رَمِيْمٌ ﴿٧٨﴾ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمُۨ ﴿٧٩﴾
الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ﴿٨٠﴾
اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؕ
بَلٰى ۗ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿٨١﴾ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ
فَيَكُوْنُ ﴿٨٢﴾ فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٨٣﴾

آیت ۶۹ ﴿وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ؕ﴾ ’’اور ہم نے ان کو شعر نہیں سکھایا اور نہ ہی یہ ان کے شایانِ شان ہے۔‘‘

اس سے پہلے سورۃ الشعراء میں شعراء کے بارے میں یہ حکم ہم پڑھ آئے ہیں: ﴿وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿٢٢٤﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ﴿٢٢٥﴾ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ﴿٢٢٦﴾﴾ ’’اور شعراء کی پیروی تو گمراہ لوگ ہی کرتے ہیں۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ وہ ہر وادی میں سرگرداں رہتے ہیں۔ اور یہ کہ وہ جو کہتے ہیں وہ کرتے نہیں‘‘۔ سورۃ الشعراء کی ان آیات کے بعد اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اس حوالے سے استثناء کا ذکر بھی فرمایا ہے‘ لیکن شعراء اور شاعری کے بارے میں عام قاعدہ کلیہ بہرحال یہی ہے جو ان آیات میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

چنانچہ آیت زیر مطالعہ میں اس حقیقت کا اعلان فرما دیا گیا کہ شاعری کے ساتھ ہمارے رسول ﷺ کی طبیعت کی مناسبت ہی نہیں۔ آپ ﷺ کی طبیعت میں شعر فہمی اور شعر شناسی کا ملکہ تو تھا لیکن شعر پڑھنے کا ذوق نہیں تھا‘ اس لیے اگر آپؐ کبھی کوئی شعر پڑھتے بھی تو اس کے الفاظ آگے پیچھے ہو جاتے اور شعر کا وزن خراب ہو جاتا۔ ایک دفعہ آپ ﷺ نے ایک شعر پڑھا اور پڑھتے ہوئے حسبِ معمول شعر بے وزن ہو گیا۔ حضرت ابوبکر ؓ پاس تھے‘ آپؓ سن کر مسکرائے اور عرض کیا: اِنِّيْ اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ’’میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں‘‘۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ ہم نے آپ کو شعر کی تعلیم نہیں دی تو پھر آپ درست شعر کیونکر پڑھیں گے! گویا آپ کی زبانِ مبارک سے بے وزن شعر سن کر حضرت ابوبکر ؓ کو ثبوت مل گیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ میں شعر کے فنی رموز اور وزن وغیرہ کا ذوق پیدا ہی نہیں فرمایا۔ البتہ معنوی اعتبار سے حضور ﷺ شعر کو خوب سمجھتے تھے۔ اس سلسلے میں آپ کا

فرمان ہے: ((اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِکْمَةً (۱)...... اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا)) (۲) کہ بہت سے اشعار حکمت پر مبنی ہوتے ہیں اور بہت سے خطبات جادو کا سا اثر رکھتے ہیں۔

﴿اِنْ ھُوَ اِلَّا ذِکْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِیْنٌ ﴿۶۹﴾﴾ ''یہ تو بس ایک یاددہانی اور نہایت واضح قرآن ہے۔''

یہ ایک صاف واضح اور روشن کلام ہے جو اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے۔

آیت ۷۰ ﴿لِّیُنْذِرَ مَنْ کَانَ حَیًّا﴾ ''تا کہ وہ خبردار کردے اُس کو جو زندہ ہو''

یہاں ''زندہ ہونے'' سے مراد روح کا زندہ ہونا ہے۔ یہ مضمون اگرچہ قبل ازیں بھی متعدد مقامات پر بیان ہو چکا ہے' لیکن اس آیت میں یہ واضح تر انداز میں آیا ہے۔ گویا کچھ انسان جیتے جی مردہ ہوتے ہیں' جیسے ابوجہل اور ابولہب بحیثیت انسان زندہ نہیں تھے' وہ صرف حیوانی سطح پر زندہ تھے' جبکہ ان کے اندر ان کی روحوں کی موت واقع ہو چکی تھی۔ چنانچہ قرآن کا اِنذار صرف اسی انسان کے لیے فائدہ مند ثابت ہوسکتا ہے جس کے اندر اس کی روح زندہ ہو اور اس کی فطرت مسخ نہ ہو چکی ہو۔

یہاں پر یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ ہمارے ہاں عام طور پر لفظ ''فطرت'' کے مترادف کے طور پر ''خِلقت'' کا لفظ استعمال کر لیا جاتا ہے اور اسی کو فارسی زبان میں ''سرشت'' بھی کہتے ہیں۔ لیکن زیر بحث مضمون کی وضاحت کے لیے جس سیاق و سباق میں لفظ ''فطرت'' کا حوالہ آیا ہے اس کا مفہوم لفظ ''خِلقت'' سے یکسر مختلف ہے۔ اس کو یوں سمجھئے کہ ''خِلقت'' کا تعلق عالمِ خلق یعنی مٹی اور زمین سے ہے' اس لیے یہ ضعف اور خامیوں سے عبارت ہے۔ مثلاً قرآن کے مطابق انسان کمزور (النساء:۲۸) بھی ہے اور جلد باز (بنی اسرائیل:۱۱) بھی۔ گویا انسانی خِلقت میں بہت سی کمزوریاں اور کوتاہیاں پائی جاتی ہیں۔ اس کے برعکس انسانی ''فطرت'' کا تعلق ''روح'' سے ہے جو اللہ کی طرف سے انسان میں پھونکی گئی ہے۔ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا ؕ﴾ (الروم:۳۰) ''یہ اللہ کی بنائی ہوئی فطرت ہے جس پر اُس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے''۔ چنانچہ فطرت کمزوریوں اور خامیوں سے پاک ہے' کیونکہ اس کا تعلق عالمِ امر یا عالمِ بالا سے ہے۔

﴿وَّیَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ ﴿۷۰﴾﴾ ''اور کافروں پر قول واقع ہو جائے۔''

(۱) سنن ابن ماجہ' کتاب الادب' باب الشعر' راوی: اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ۔

(۲) صحیح البخاری' کتاب النکاح' باب الخطبۃ' راوی: عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما۔

یعنی ان پر حجت تمام ہو جائے اور وہ عذاب کے مستحق ہو جائیں۔

آیت ۷۱ ﴿اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَھُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَیْدِیْنَآ اَنْعَامًا فَھُمْ لَھَا مٰلِکُوْنَ ﴿۷۱﴾﴾ ''کیا انہوں نے غور نہیں کیا کہ ہم نے اپنے ہاتھوں کی بنائی ہوئی چیزوں میں سے ان کے لیے چوپائے پیدا کر دیے' جن کے اب یہ مالک بنے پھرتے ہیں۔''

یہ میری بھینس ہے' میں اس کا مالک ہوں! یہ اُس کی گائے ہے! یہ فلاں کا گھوڑا ہے! بکریوں کے ریوڑ کا مالک فلاں ہے! گویا یہ لوگ بڑے فخر سے ان مویشیوں اور چوپایوں پر اپنا حق ملکیت جتاتے ہیں' لیکن یہ حقیقت وہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ انہیں تخلیق تو اللہ نے ہی کیا ہے۔

آیت ۷۲ ﴿وَذَلَّلْنٰھَا لَھُمْ فَمِنْھَا رَکُوْبُھُمْ وَمِنْھَا یَاْکُلُوْنَ ﴿۷۲﴾﴾ ''اور ہم نے ان (مویشیوں) کو ان کا مطیع کر دیا ہے تو ان میں سے بعض پر وہ سوار ہوتے ہیں اور بعض کا گوشت کھاتے ہیں۔''

انسان سے کئی کئی گنا زیادہ طاقتور جانوروں کو اللہ تعالیٰ نے فطری طور پر اس کے تابع کر دیا ہے۔ چنانچہ کئی جانور تو ایسے ہیں جن کو انسان سواری اور باربرداری کے کام میں لاتا ہے اور کئی وہ ہیں جن کے گوشت سے اس کی غذائی ضروریات پوری ہوتی ہیں۔

آیت ۷۳ ﴿وَلَھُمْ فِیْھَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ؕ اَفَلَا یَشْکُرُوْنَ ﴿۷۳﴾﴾ ''اور ان کے لیے ان میں بہت سی منفعتیں اور پینے کی جگہیں ہیں۔ تو کیا یہ لوگ شکر نہیں کرتے!''

انسانی زندگی میں جانوروں کی اہمیت اور افادیت کے بہت سے دوسرے پہلو بھی ہیں۔ باربرداری کی خدمات اور غذائی ضروریات کے علاوہ ان کی اون اور کھالوں سے انسانی استعمال کی بے شمار چیزیں بنتی ہیں۔ اور اب تو ان جانوروں کی کوئی ایک چیز بھی ضائع نہیں جاتی' حتیٰ کہ ان کے خون اور گوبر کو بھی مختلف طریقوں سے استعمال کر لیا جاتا ہے۔

''مَشَارِب'' جمع ہے اور اس کا واحد ''مشرب'' ہے' جس کے معنی پینے کی جگہ اور گھاٹ کے ہیں۔ گویا دودھ دینے والے جانور اور ان جانوروں کے تھن انسان کے لیے ''مشرب'' یعنی دودھ کے گھاٹ ہیں۔ دودھ ایک بہترین مشروب اور انسانی زندگی کے لیے بے حد مفید غذا ہے۔ جانوروں سے حاصل ہونے والی اس ایک نعمت پر ہی انسان اللہ کا شکر ادا کرنا چاہے تو اس کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ اسماعیل میرٹھی صاحب نے یہ انتہائی اہم اور سنجیدہ بات کتنے سادہ انداز میں بچوں کی زبان میں کہہ دی ہے:

رب کا شکر ادا کر بھائی جس نے ہماری گائے بنائی
اُس مالک کو کیوں نہ پکاریں جس نے پلائیں دودھ کی دھاریں!

آیت ۷۴ ﴿وَاتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اٰلِہَۃً لَّعَلَّہُمۡ یُنۡصَرُوۡنَ ﴿ؕ۷۴﴾﴾ ”اور انہوں نے اللہ کے سوا دوسرے معبود گھڑ لیے ہیں‘ شاید کہ ان کی مدد کی جائے۔“

انہیں اُمید ہے کہ اللہ کے ہاں ان معبودوں کی سفارش سے وہ آخرت کے عذاب سے بچ جائیں گے۔

آیت ۷۵ ﴿لَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ نَصۡرَہُمۡ ۙ﴾ ”وہ ہرگز کوئی استطاعت نہیں رکھتے ان کی مدد کی‘“

﴿وَ ہُمۡ لَہُمۡ جُنۡدٌ مُّحۡضَرُوۡنَ ﴿۷۵﴾﴾ ”بلکہ یہ تو خود ہوں گے ان کے پکڑے ہوئے قیدی۔“

یعنی جنہیں یہ لوگ پوجتے تھے وہی انہیں پکڑ پکڑ کر اللہ کے حضور پیش کریں گے اور کہیں گے: اے اللہ یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے دنیا میں ہمارے ساتھ یہ ظلم کیا تھا کہ ہمیں تیرا شریک ٹھہراتے رہے۔

آیت ۷۶ ﴿فَلَا یَحۡزُنۡکَ قَوۡلُہُمۡ ۘ﴾ ”تو (اے نبی ﷺ!) ان کی بات آپ کو رنجیدہ نہ کرے۔“

آپؐ ان کی باتوں سے رنجیدہ اور دل گرفتہ نہ ہوں۔

﴿اِنَّا نَعۡلَمُ مَا یُسِرُّوۡنَ وَ مَا یُعۡلِنُوۡنَ ﴿۷۶﴾﴾ ”ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ یہ لوگ چھپا رہے ہیں اور جو کچھ ظاہر کر رہے ہیں۔“

آیت ۷۷ ﴿اَوَ لَمۡ یَرَ الۡاِنۡسَانُ اَنَّا خَلَقۡنٰہُ مِنۡ نُّطۡفَۃٍ فَاِذَا ہُوَ خَصِیۡمٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۷۷﴾﴾ ”تو کیا انسان نے دیکھا نہیں کہ ہم نے اسے بنایا ہے ایک قطرہ سے‘ تو اب یہ بن گیا ہے کھلا جھگڑنے والا!“

اب اس کی دیدہ دلیری کا یہ عالم ہے کہ یہ ہماری آیات پر اعتراض کرتا ہے اور ہمارے نبی (ﷺ) کے ساتھ کج بحثی کرتا ہے۔

آیت ۷۸ ﴿وَ ضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّ نَسِیَ خَلۡقَہٗ ؕ﴾ ”اور یہ ہمارے بارے میں تو مثالیں

بیان کرتا ہے اور اپنی پیدائش کو بھول گیا ہے!“

﴿قَالَ مَنۡ یُّحۡیِ الۡعِظَامَ وَ ہِیَ رَمِیۡمٌ ﴿۷۸﴾﴾ ”کہتا ہے کہ کون زندہ کرے گا ہڈیوں کو جبکہ وہ بالکل بوسیدہ ہو چکی ہوں گی؟“

وہ اعتراضات کرتا ہے کہ جب ہماری ہڈیاں گل سڑ جائیں گی اور ہمارے جسموں کے اعضاء منتشر ہو جائیں گے تو کون ہمیں دوبارہ پیدا کرے گا؟

آیت ۷۹ ﴿قُلۡ یُحۡیِیۡہَا الَّذِیۡۤ اَنۡشَاَہَاۤ اَوَّلَ مَرَّۃٍ ؕ﴾ ”(اے نبی ﷺ!) آپ کہیے کہ ان کو وہی زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا۔“

اس اعتراض کے جواب میں یہ دلیل قرآن حکیم میں متعدد بار بیان فرمائی گئی ہے جسے معمولی سمجھ بوجھ کا انسان بھی بڑی آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ یعنی کسی چیز کا ابتدائی طور پر پیدا کرنا‘ یا کسی بھی کام کا پہلی مرتبہ انجام دینا‘ اس کا اعادہ کرنے کے مقابلے میں بظاہر زیادہ مشکل ہوتا ہے۔ تو جس ہستی نے پہلی دفعہ انسان کو بنایا ہے اس کے لیے اسے دوبارہ بنانا بھلا کیونکر مشکل ہوگا!

﴿وَ ہُوَ بِکُلِّ خَلۡقٍ عَلِیۡمُۨ ﴿۷۹﴾﴾ ”اور وہ ہر مخلوق کا مکمل علم رکھنے والا ہے۔“

کون کہاں دفن ہوا‘ کس کے جسم کے کون کون سے اجزاء کس کس حالت میں کہاں کہاں منتشر ہوئے‘ یہ سب معلومات اللہ تعالیٰ کے علم قدیم اور علم کامل کے اندر محفوظ ہیں۔

آیت ۸۰ ﴿الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمۡ مِّنَ الشَّجَرِ الۡاَخۡضَرِ نَارًا﴾ ”جس نے تمہارے لیے سبز درخت سے آگ پیدا کر دی“

اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہرے بھرے درختوں کے اندر جلنے اور آگ پیدا کرنے کی صلاحیت پیدا کی ہے۔ ان کی لکڑیوں کو تم لوگ خشک کر کے جلاتے ہو اور آگ کے حوالے سے اپنی مختلف ضروریات پوری کرتے ہو۔ اس کے علاوہ اس سے بعض ایسے درخت بھی مراد ہیں جن کی سبز ٹہنیوں کو رگڑنے سے آگ پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً بانس کی بعض اقسام میں یہ صلاحیت موجود ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے صحراؤں میں خاص طور پر بعض ایسے درخت پیدا کر رکھے ہیں جن کی مدد سے مسافر ضرورت پڑنے پر آگ پیدا کر سکیں۔ جیسے کہ عرب کے صحراؤں میں مَرخ اور عَفار نامی دو درخت پائے جاتے تھے‘ جن کی سبز شاخوں کو آپس میں رگڑ کر آگ پیدا کی جا سکتی تھی۔

﴿فَاِذَاۤ اَنۡتُمۡ مِّنۡہُ تُوۡقِدُوۡنَ ﴿۸۰﴾﴾ ”تو تم اس سے آگ سلگاتے ہو۔“

آیت ۸۱ ﴿اَوَلَیۡسَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنۡ یَّخۡلُقَ مِثۡلَهُمۡ ؕ﴾ ’’تو کیا جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو‘ وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ ان جیسی مخلوق دوبارہ پیدا کر دے!‘‘

یہاں پر یَخۡلُقَ مِثۡلَهُمۡ کے الفاظ میں ایک اہم مضمون بیان ہوا ہے جو اس آیت کے علاوہ بھی قرآن مجید میں متعدد بار آیا ہے۔ مطلب یہ کہ جب ہمیں دوبارہ پیدا کیا جائے گا تو ہم میں سے ہر ایک کو بعینہٖ دنیا والا جسم نہیں دیا جائے گا بلکہ ’’اس جیسا‘‘ جسم دیا جائے گا۔ اس کی عقلی توجیہہ یہ ہے کہ انسان کا جسم تو اس کی زندگی میں بھی مسلسل تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ اس میں مسلسل تغیرات رونما ہوتے رہتے ہیں۔ کھال سمیت جسم کے تمام اعضاء کے خلیات اور خون کے سرخ وسفید خلیات مسلسل ختم ہوتے رہتے ہیں اور ان کی جگہ نئے خلیات بنتے رہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ میرا جو جسم دس سال پہلے تھا وہ آج ختم ہو چکا ہے اور اس کی جگہ بالکل ایک نیا جسم بن چکا ہے۔ اسی طرح آج میرا جو جسم ہے چند سال بعد اس کی یہ ہیئت تبدیل ہو جائے گی۔ گویا بچپن میں جسم کی جو کیفیت ہوتی ہے‘ جوانی تک پہنچتے پہنچتے وہ کیفیت بالکل بدل جاتی ہے‘ جبکہ بڑھاپے کی عمر میں جوانی والے جسم کی ہیئت بھی مکمل طور پر تبدیل ہو جاتی ہے۔ بہرحال ہر انسان کو دوبارہ اٹھنے پر جو جسم دیا جائے گا وہ بعینہٖ دنیا والا جسم نہیں ہوگا‘ بلکہ ’’اس جیسا‘‘ جسم ہوگا اور اس کی شکل کی سی شکل ہوگی۔ دنیا کی زندگی میں جس جسم سے اس نے نیک یا برے اعمال کمائے ہوں گے‘ اسی طرح کے جسم کے ساتھ اسے ان اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔

اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کا ایک فرمان بھی اس کے لیے دلیل فراہم کرتا ہے جو بالعموم آپؐ کی خوش طبعی کی مثال کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ حضور ﷺ کے پاس ایک دفعہ ایک بوڑھی خاتون حاضر ہوئی اور اپنے لیے جنت کی دعا کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا: ’’اے اُمّ فلاں! جنت میں بوڑھی عورتیں تو داخل نہیں ہوں گی‘‘۔ اس پر وہ سادہ لوح خاتون رنجیدہ ہو کر رونے لگی۔ آپ ﷺ نے یہ دیکھا تو اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: ((اِنَّ الۡعَجُوۡزَ لَنۡ تَدۡخُلَ الۡجَنَّةَ عَجُوۡزًا بَلۡ یُنۡشِئُهَا اللّٰهُ خَلۡقًا آخَرَ، فَتَدۡخُلُهَا شَابَّةً بِكۡرًا)) ’’بوڑھی عورتیں بڑھاپے کی حالت میں ہرگز جنت میں داخل نہیں ہوں گی بلکہ اللہ تعالیٰ انہیں ایک اور ہی اٹھان پر اٹھائے گا‘ پس تم نوجوان کنواری بن کر جنت میں داخل ہوگی‘‘۔ اور پھر آپ ﷺ نے اس خاتون کو یہ آیات پڑھ کر سنائیں: ﴿اِنَّاۤ اَنۡشَاۡنٰهُنَّ

اِنۡشَآءً ﴿۳۵﴾ فَجَعَلۡنٰهُنَّ اَبۡكَارًا ﴿۳۶﴾ عُرُبًا اَتۡرَابًا ﴿۳۷﴾﴾ (الواقعة) ’’ان کو ہم ایک خاص اٹھان پر اٹھائیں گے‘ اور ان کو باکرہ بنائیں گے‘ محبت کرنے والی‘ ہم عمر۔‘‘(۱)

﴿بَلٰی ٭ وَهُوَ الۡخَلّٰقُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۸۱﴾﴾ ’’کیوں نہیں! جبکہ وہ تو بہت تخلیق فرمانے والا‘ سب کچھ جاننے والا ہے۔‘‘

آیت ۸۲ ﴿اِنَّمَاۤ اَمۡرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیۡئًا اَنۡ یَّقُوۡلَ لَهٗ كُنۡ فَیَكُوۡنُ ﴿۸۲﴾﴾ ’’اُس کے امر کی شان تو یہ ہے کہ جب وہ کسی شے کا ارادہ کر لیتا ہے تو وہ اسے کہتا ہے ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے۔‘‘

یہاں پر یہ اہم نکتہ نوٹ کر لیجیے کہ یہ ’’عالمِ امر‘‘ کا معاملہ ہے‘ جبکہ عالمِ خلق کے قوانین مختلف ہیں۔ قرآن میں یہ آیت متعدد بار آئی ہے اور اسی مفہوم اور انہی الفاظ کے ساتھ آئی ہے۔ عالمِ امر اور عالمِ خلق کے بارے میں وضاحت سورۃ الاعراف کی آیت ۵۴ کے ضمن میں کی جا چکی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ عالمِ امر میں چیزوں کو وقوع پذیر ہونے کے لیے کوئی وقت درکار نہیں‘ جبکہ عالمِ خلق میں تخلیق کے لیے وقت درکار رہتا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے قرآن میں زمین وآسمان کی تخلیق کے بارے میں فرمایا ہے کہ ہم نے انہیں چھ دنوں میں بنایا۔ ان چھ دنوں سے مراد چھ ادوار (Eras) ہو سکتے ہیں۔ انہیں آپ میلینیم (millennlums) کہہ لیں۔ عین ممکن ہے کہ جس عرصہ کو یہاں ’’دن‘‘ کا نام دیا گیا ہے وہ لاکھوں برس پر محیط ہو۔ لیکن چھ دنوں کے ذکر سے یہ حقیقت تو بہرحال واضح ہوتی ہے کہ زمین وآسمان کی تخلیق میں کچھ وقت لگا۔ اس لیے کہ یہ ’’عالمِ خلق‘‘ کی تخلیق ہے۔

اس کے برعکس ’’عالمِ امر‘‘ میں ’’وقت‘‘ کا تکلف نہیں پایا جاتا۔ مثلاً روحِ انسانی اور فرشتوں کا تعلق عالمِ امر سے ہے‘ اس لیے روح کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچنے کے لیے کوئی وقت درکار نہیں۔ اسی طرح حضرت جبریل امین علیہ السلام آنِ واحد میں عرش سے زمین پر آ جاتے ہیں اور آنِ واحد میں زمین سے عرش پر پہنچ جاتے ہیں۔ چنانچہ آیت زیر مطالعہ میں اللہ تعالیٰ کے امر کی خصوصی شان کا ذکر عالمِ امر کے حوالے سے ہوا ہے۔

آیت ۸۳ ﴿فَسُبۡحٰنَ الَّذِیۡ بِیَدِهٖ مَلَكُوۡتُ كُلِّ شَیۡءٍ وَّاِلَیۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۸۳﴾﴾ ’’تو بڑی بابرکت ہے وہ ذات جس کے قبضۂ قدرت میں ہر شے کا اختیار ہے اور اُسی کی طرف تم سب لوٹا دیے جاؤ گے۔‘‘

---

(۱) غایة المرام للالبانی‘ ح: ۳۷۵۔ نیز ملاحظہ ہو: سلسلة الاحادیث الصحیحة‘ ح:۲۹۸۷۔

سلسلہ وار دروسِ قرآن (۹)

نورِ ایمان کے اجزائے ترکیبی
نورِ فطرت اور نورِ وحی

شجاع الدین شیخ ☆

آج ہمارے درس کا عنوان ''نورِ ایمان کے اجزائے ترکیبی: نورِ فطرت اور نورِ وحی'' ہے' جس کو ہم سورۃ النور کے پانچویں رکوع کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کریں گے۔

زیر درس آیات کا مختصر تجزیہ

سب سے پہلے زیر درس آیات کا تجزیہ کرتے ہیں۔ آیت ۳۵ میں ایمان کے اجزائے ترکیبی کے لیے ایک مثال دی گئی ہے اور آج کے درس میں ہمارے سامنے تین مثالیں آئیں گی۔ آیات ۳۶ تا ۳۸ میں ایمانِ حقیقی کا داخلی مظہر یعنی تعلق مع اللہ کو واضح کیا گیا ہے۔ یعنی اگر حقیقی ایمان دل میں ہو تو اندر کیا جذبات و احساسات ہوں گے؟ اس کا جواب بایں طور دیا گیا کہ حقیقی ایمان کے نتیجے میں بندے کے دل میں اللہ ربّ العزت کی یاد ہوگی اور اس کے نتیجے میں اللہ سے تعلق مضبوط تر ہوتا چلا جائے گا۔ آیت ۳۹ میں ایمانِ حقیقی سے محروم لیکن ظاہری طور پر نیکیاں کرنے والوں کی مثال دی گئی ہے۔ آیت ۴۰ میں ایمانِ حقیقی سے ہی نہیں' بلکہ ظاہری نیکیوں سے بھی محروم لوگوں کی مثال آئی ہے۔ یعنی نہ دل میں نورِ ایمان ہے اور نہ ظاہر میں روشنی ہے۔ پھر جھوٹ موٹ کی نیکی بھی نہیں ہے' بس اندھیرے ہی اندھیرے ہیں۔

آج کے درس کے ضمن میں یہ اہم بات بھی جان لیجیے کہ قرآن مجید میں مذکور تمثیلات اور ان کا فلسفہ کیا ہے؟ بعض لطیف اور ماورائی حقائق ایسے ہیں جن کو انسان سمجھنے سے قاصر ہے' البتہ انسان کی ہدایت کے لیے ان کا ایک اجمالی تصور دینا ضروری ہوتا ہے۔ اس اجمالی

☆ معاون برائے مرکزی شعبہ تعلیم وتربیت' تنظیم اسلامی

تصور کے لیے آسمانی کتابوں میں ہمارے لیے تمثیل بیان کر دی جاتی ہے۔ بائبل اور انجیل میں بہت ساری تمثیلات ہیں اور قرآن حکیم میں بھی کچھ تمثیلات کا تذکرہ موجود ہے۔ سورۃ النور کے زیر درس پانچویں رکوع میں بھی تین مثالیں بیان ہوئی ہیں۔

نورِ ایمان اور اس کی اہمیت

سورۃ النور کی آیت ۳۵ میں ارشاد ہوا:

﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۳۵﴾

''اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے گویا ایک طاق ہے اور اس میں ایک چراغ ہے۔ چراغ ایک قندیل میں ہے۔ قندیل ایسی ہے جیسے ایک چمکتا ہوا ستارہ۔ وہ (چراغ) جلایا جاتا ہے ایک مبارک درخت (کے تیل سے) یعنی زیتون سے جو نہ مشرق کی طرف ہے اور نہ مغرب کی طرف۔ اس کا تیل جلنے کو تیار ہے خواہ اسے آگ نے چھوا بھی نہ ہو۔ روشنی پر روشنی ہے۔ اللہ اپنے نور کی ہدایت جسے چاہتا ہے' دیتا ہے۔ اور اللہ مثالیں بیان فرماتا ہے لوگوں کے لیے' اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔''

ایمان ایک باطنی نور ہے جس سے اشیاء کی حقیقت ظاہر ہوتی ہے۔ ایک دعائیہ کلمہ ہے: ((اَللّٰھُمَّ اَرِنِیْ حَقِیْقَةَ الْاَشْیَاءِ کَمَا ھِیَ)) ''اے اللہ! مجھے اشیاء کی حقیقت بتا دے جیسا کہ وہ ہیں''۔ پوشیدہ حقائق کو سمجھنے کے لیے نور یعنی روشنی کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ روشنی درحقیقت نورِ ایمان ہے۔ جس شخص کا اللہ پر کامل ایمان نہیں اس کے لیے یہ کائنات عالم ظلمات ہے۔ اسے اس کائنات کی نہ ابتدا کی خبر ہوگی اور نہ انتہا کی' نہ اپنے مقصدِ تخلیق کا علم ہوگا اور نہ مقصدِ کائنات کا۔ جو شخص غور وفکر کرنے والا ہے وہ تو ابھی اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں مار رہا ہوگا کہ یہ کائنات کس نے بنائی' کیوں بنائی' مجھے کس نے بنایا اور کیوں بنایا؟

جب ہم اندھیرے میں کسی شے کو دیکھنا چاہیں تو ہمیں روشنی کی ضرورت ہوتی ہے۔

اسی طرح باطن کے حقائق جاننے کے لیے بھی کوئی روشنی ہونی چاہیے‘ تو اس روشنی کو ہم ایمان کا نور کہتے ہیں۔ نورِ ایمان اگر بندے کو میسر آ جائے تو باطنی حقائق کو سمجھنا اس کے لیے آسان ہو جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی تفسیر کے مطابق مَثَلُ نُوْرِہٖ کے بعد فی قلب المؤمن ’’مؤمن کے دل میں‘‘ کے الفاظ محذوف ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ تفسیر میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے امام ہیں اور ان کا قول بہت وزنی ہے۔

اس آیت کے ضمن میں دوسری بات یہ کہ یہاں اللہ کے نور کی مثال دی گئی ہے‘ اللہ کی ذات کی نہیں‘ اس لیے کہ اللہ کی مثال دینا ممکن ہی نہیں ہے۔ سورۃ الشوریٰ میں واضح الفاظ میں فرما دیا گیا: ﴿لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ ۚ﴾ (آیت ۱۱) ’’اللہ کی مثال کی مانند بھی کوئی شے نہیں!‘‘ لہٰذا ذہن میں رہے کہ یہاں جو تمثیل ہے وہ اللہ کے لیے نہیں‘ بلکہ اللہ کے نور کے لیے ہے کہ اللہ کے نور کی مثال بندۂ مؤمن کے دل میں کیسی ہے؟

کسی بندۂ مؤمن کے دل میں کتنا ایمان ہے‘ یہ کسی لیبارٹری میں چیک نہیں کیا جا سکتا۔ یہ بات ہمارے فہم سے بالاتر ہے‘ اس لیے اس کو سمجھانے کے لیے ہمارے مشاہدے میں موجود کچھ باتوں کو سامنے رکھا گیا تاکہ یہ حقیقت سمجھ میں آ جائے۔ سورۃ الحج میں ارشاد ہوا: ﴿فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ۝۴۶﴾ ’’تو اصل میں آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں‘ بلکہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینے میں ہیں‘‘۔ چلتا پھرتا ابوجہل دیکھتا بھی تھا اور اس کا دل بھی دھڑکتا تھا‘ مگر اللہ عزوجل کی توحید اور نبی اکرم ﷺ کی نبوت کو ماننے سے انکاری ہو گیا۔

اس آیت میں طاق کی مثال سینے کے لیے‘ مصباح کی مثال نورِ ایمان کے لیے‘ قندیل کی مثال انسانی قلب کے لیے‘ روغن زیتون کی مثال فطرتِ انسانی کے لیے اور آگ کی مثال نورِ وحی کے لیے دی گئی ہے۔ تھوڑی دیر کے لیے سمجھ لیجیے کہ ایک طاق ہے جس کے اندر ایک چراغ رکھا ہے جو جل رہا ہے۔ چراغ کو جلانے کے لیے ہمیں تیل چاہیے ہوتا ہے اور تیل کو آگ دکھائی جاتی ہے تو وہ جلتا ہے اور چراغ روشن ہوتا ہے۔ چراغ ایک فانوس میں ہو گا تو اس کی روشنی مساوی طور پر ہر طرف جائے گی۔ چونکہ چراغ ایک طاق میں رکھا ہے تو بہت خوبصورت

نظر آتا ہے۔ طاق گویا انسان کا سینہ ہے جس میں دل ہے اور دل میں نورِ ایمان پیدا ہوتا ہے۔ تیل یوں سمجھئے کہ فطرتِ انسانی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا تعارف موجود ہے۔ اس کو متحرک کرنے کے لیے نورِ وحی کی ضرورت ہے۔ جب پیغمبر کی بات کان میں پڑتی ہے تو یہ نورِ ایمان مکمل ہو جاتا ہے۔ اس کے نتیجے میں نورِ فطرت اور نورِ وحی جمع ہو جاتے ہیں تو بندۂ مؤمن کے دل میں ایمان مکمل ہو جاتا ہے۔

نورِ فطرت اور اس کی اہمیت

اگلا نکتہ یہ کہ اس آیت میں بندۂ مؤمن کے دل کو چمکتے ہوئے ستارے کی مانند قندیل سے تمثیل دی گئی ہے۔ باغ کے وسطی حصہ میں پروان چڑھنے والے درخت کے روغن میں جلنے کی صلاحیت زیادہ ہوتی ہے‘ کیونکہ صبح کے وقت بھی اسے زیادہ روشنی میسر آتی ہے اور شام کو بھی یہی صورتحال ہوتی ہے۔ جہاں نشوونما بہت عمدگی کے ساتھ ہو تو اس کے تیل میں بھی جلنے کی صلاحیت زیادہ ہو گی۔ شرقی اور غربی کا تعصب انسان کی فطرت کو آلودہ کرتا ہے اور حق کی راہ میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔ فطرت سلامت ہو اور بندہ دائیں بائیں تعصب کی طرف نہ چلا جائے تو اس کے لیے حق کی قبولیت آسان ہو جاتی ہے۔ انسان کی فطرت اگر سلامت ہو تو اس کا دل بیدار ہوتا ہے اور نورِ وحی سے دل جگمگا اٹھتا ہے۔ اللہ ہمارے دلوں کو نورِ ایمان سے منور فرمائے۔ اس کے برعکس اگر فطرت تکبّر‘ تعصّب‘ حسد‘ دنیوی مفادات یا گناہ کی وجہ سے آلودہ ہو جائے تو دل زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ پھر اس کے لیے قبولِ حق مشکل ہو جاتا ہے اور اس کا دل نورِ ایمان سے منور نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ اس برے انجام سے ہم سب کی حفاظت فرمائے۔

اس بات کو ایک اور انداز سے سمجھتے ہیں۔ نورِ ایمان‘ نورِ فطرت اور نورِ وحی کا مجموعہ ہے۔ انبیاء کرام ؊ اور صدیقین کا نورِ فطرت بالکل سلامت ہوتا ہے اور نورِ وحی کے ذریعے ان کے ایمان کی تکمیل ہوتی ہے۔ انبیاء کرام ؊ تو اللہ تعالیٰ کے چنیدہ بندے ہوتے ہیں۔ صدیقین‘ غور و فکر کر کے بعض ایمانی حقائق تک از خود پہنچ جاتے ہیں اور ان کا نورِ ایمان وحی سے مکمل ہو جاتا ہے۔ صِدّیقین کے حوالے سے حضرت سلمان فارسیؓ کی ایمان افروز مثال موجود ہے۔ وہ ایک مشرک آتش پرست کے گھر میں پیدا ہوئے۔ ان کی فطرت سلامت تھی‘ لہٰذا انہوں نے آتش پرستی کو قبول نہیں کیا اور حق کی تلاش میں کئی راہوں سے دریافت کرتے ہوئے

بالآخر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے اور انہیں ایمان میسر آ گیا۔

آخری بات اس آیت میں یہ آئی تھی کہ اللہ لوگوں کو سمجھانے کے لیے مثالیں بیان کرتا ہے۔ چنانچہ تمثیلات کی ضرورت انسانوں کو ہے' جبکہ اللہ تو ہر شے کا ایسا علم رکھتا ہے جیسی وہ حقیقت میں ہے۔

مساجد اور ان کا احترام

آیت ۳۶ میں فرمایا:

﴿فِیۡ بُیُوۡتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنۡ تُرۡفَعَ وَیُذۡکَرَ فِیۡہَا اسۡمُہٗ ۙ یُسَبِّحُ لَہٗ فِیۡہَا بِالۡغُدُوِّ وَالۡاٰصَالِ ﴿۳۶﴾﴾

''ان گھروں میں جن کے بارے میں اللہ نے حکم دیا ہے کہ ان کو بلند کیا جائے اور ان میں اس کے نام کا ذکر کیا جائے' ان میں صبح وشام اس کی تسبیح کرتے ہیں''۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی وضاحت میں فرمایا کہ (ان گھروں سے مراد مسجدیں ہیں اور) یہ مسجدیں زمین پر اللہ کے گھر ہیں اور وہ آسمان والوں کو اس طرح چمکتی نظر آتی ہیں جیسے زمین والوں کو ستارے چمکتے نظر آتے ہیں۔

مساجد کی بات آ گئی تو ان کے حوالے سے چند ہدایات نوٹ کر لیجیے: مساجد کو بلند کیا جائے' ان کی تعظیم کی جائے' ان میں شور یا جھگڑا وغیرہ نہ کیا جائے' ایسی غذا کھا کر مسجد نہ آیا جائے جس سے منہ میں ناگوار بدبو پیدا ہوتی ہو' ان میں اللہ کا ذکر کیا جائے' ان میں کسی قسم کا شرک نہ کیا جائے اور انہیں پاک صاف رکھا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں مساجد سے محبت اور ان آداب کو ملحوظ رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

مساجد سے محبت اللہ تعالیٰ سے بندۂ مؤمن کے تعلق کے مظاہر میں سے ایک مظہر ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((سَبۡعَةٌ يُظِلُّهُم اللّٰهُ فِی ظِلِّهِ يَوۡمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ : اَلۡإِمَامُ الۡعَادِلُ، وَشَابٌّ نَشَأَ فِی عِبَادَةِ، رَبِّهِ وَرَجُلٌ قَلۡبُهُ مُعَلَّقٌ فِی الۡمَسَاجِدِ، وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِی اللّٰهِ اجۡتَمَعَا عَلَيۡهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيۡهِ ، وَرَجُلٌ طَلَبَتۡهُ امۡرَأَةٌ ذَاتُ مَنۡصِبٍ وَجَمَالٍ فَقَالَ إِنِّی أَخَافُ اللّٰهَ، وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ أَخۡفَى حَتّٰى لَا تَعۡلَمَ شِمَالُهُ

مَا تُنۡفِقُ يَمِيۡنُهُ، وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللّٰهَ خَالِيًا فَفَاضَتۡ عَيۡنَاهُ)) (متفق علیہ)

''سات آدمی ایسے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اس دن اپنے (عرش کے) سائے میں جگہ دے گا جس دن اس کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا: (۱) عدل کرنے والا حکمران' (۲) وہ نوجوان جو اللہ کی عبادت میں زندگی گزار رہا ہو' (۳) وہ آدمی جس کا دل ہر وقت مسجد میں اٹکا ہوا ہو' (۴) وہ دو آدمی جو اللہ کی رضا کی خاطر ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں' اسی کی وجہ سے باہم جمع ہوتے ہیں اور اسی پر ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں' (۵) وہ آدمی جس کو منصب و جمال والی کوئی عورت دعوتِ گناہ دے اور وہ جواب میں کہہ دے کہ میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں' (۶) وہ آدمی جس نے اس طرح خفیہ صدقہ کیا کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی علم نہیں ہوا کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا صدقہ کیا' اور (۷) وہ آدمی جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے''۔

بندۂ مؤمن کے اوصاف اور ان کا انعام

آیت ۳۷ میں ارشاد ہوا:

﴿رِجَالٌ ۙ لَّا تُلۡہِیۡہِمۡ تِجَارَۃٌ وَّ لَا بَیۡعٌ عَنۡ ذِکۡرِ اللّٰہِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَ اِیۡتَآءِ الزَّکٰوۃِ ۪ۙ یَخَافُوۡنَ یَوۡمًا تَتَقَلَّبُ فِیۡہِ الۡقُلُوۡبُ وَ الۡاَبۡصَارُ ﴿۳۷﴾﴾

''ایسے (جواں ہمت) لوگ جنہیں ان کی تجارت اور لین دین غافل نہیں کرتے اللہ کے ذکر سے اور نماز قائم کرنے سے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے۔ وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جب اُلٹ دیے جائیں گے دل اور آنکھیں''۔

بندۂ مؤمن ایسا ہوتا ہے' اللہ ہم سب کو ایسا ہی بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ یہاں ذکر سے مراد اللہ کے احکام کی بجا آوری ہے' محض تسبیح کے دانے پر اللہ کا ذکر کرنا مراد نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری یعنی فرائض و واجبات پر عمل کرنا اور حرام سے بچنا بھی اللہ کا ذکر ہے۔ گویا اللہ کے محبوب بندے گوشہ نشین' تارک الدنیا اور زاہد و راہب ہی نہیں ہوتے' بلکہ رزقِ حلال کمانے کے لیے محنت کرنے والے اور اس دوران احکاماتِ شریعت کی پابندی کرنے والے بھی ہوتے ہیں۔ اسلامی تصور یہ نہیں کہ ہم مسجدوں میں بیٹھے رہیں اور زندگی کے امور سے کوئی تعلق نہ رکھیں۔

جنگِ قادسیہ میں ایک ایرانی جاسوس کی گواہی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

کے بارے میں یہ ملتی ہے کہ وہ رات کے راہب اور دن کے شہسوار ہیں۔ راتوں میں صحابہ کرامؓ اللہ سے لو لگاتے اور قیام وسجود میں مشغول رہتے' جبکہ دن میں گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہوکر اللہ کے دین کی سربلندی کی محنت کرتے تھے۔ رات اور دن میں اللہ سے تعلق بندۂ مؤمن کا متوازن طرزِ عمل ہوتا ہے۔

آیت ۳۸ میں فرمایا:

﴿لِیَجۡزِیَہُمُ اللّٰہُ اَحۡسَنَ مَا عَمِلُوۡا وَیَزِیۡدَہُمۡ مِّنۡ فَضۡلِہٖ ؕ وَاللّٰہُ یَرۡزُقُ مَنۡ یَّشَآءُ بِغَیۡرِ حِسَابٍ ﴿۳۸﴾﴾

''تاکہ اللہ ان کو بدلہ دے ان کے بہترین اعمال کا اور اپنے فضل سے زیادہ بھی عطا فرمائے۔ اور اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب دیتا ہے۔''

''احسن'' کا مطلب بہترین بدلہ یا انسان کے بہترین عمل کی مناسبت سے بدلہ ہے۔ مثلاً سو اعمال ہیں جن میں دس بہت ہی احسن ہیں تو بقیہ نوے (۹۰) اعمال کا بدلہ بھی احسن اعمال کی مناسبت سے دیا جائے گا۔ یہ اللہ کی شانِ کریمی ہے۔ 'اجر یا جزا' اس بدلے کو کہتے ہیں جو انسان کو ایک حساب کے مطابق دیا جائے گا۔ 'فضل' اللہ کی خاص عنایت یا دَین ہے جو بے حساب اور بغیر کسی استحقاق کے بندوں کو عطا کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل کا ہم سب کو مستحق بننے کی توفیق عطا فرمائے۔

بغیر ایمان اور اخلاص کے اعمال کی مثال

آیت ۳۹ میں فرمایا:

﴿وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَعۡمَالُہُمۡ کَسَرَابٍۭ بِقِیۡعَۃٍ یَّحۡسَبُہُ الظَّمۡاٰنُ مَآءً ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَآءَہٗ لَمۡ یَجِدۡہُ شَیۡئًا وَّوَجَدَ اللّٰہَ عِنۡدَہٗ فَوَفّٰىہُ حِسَابَہٗ ؕ وَاللّٰہُ سَرِیۡعُ الۡحِسَابِ ﴿۳۹﴾﴾

''جن لوگوں نے کفر کیا' ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے کسی چٹیل میدان میں سراب' شدید پیاسا اسے پانی سمجھے۔ یہاں تک کہ جب اس کے پاس جائے تو اسے کچھ بھی نہ پائے اور اللہ کو اس کے پاس پائے تو وہ اسے اس کا حساب چکا دے۔ اور اللہ جلد حساب کرنے والا ہے۔''

یہ ایسے اعمال کے لیے تمثیل ہے جو کوئی شخص حالتِ کفر میں یا اخلاص کے بغیر کرتا ہے۔

جس میں اخلاص نہیں وہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کو ماننے والا تو نہ ہوا۔ اس آیت میں انتہائی پیاسا' نورِ ایمان سے محروم —— چٹیل میدان' میدانِ حشر کے لیے —— سراب' خلوص کے بغیر اعمال —— اور پانی' اچھے اعمال کے لیے بطور مثال آیا ہے۔

ایک چٹیل میدان میں ایک پیاسے کو دُور سے ریت بھی پانی محسوس ہوتی ہے' مگر قریب جانے پر اسے پتہ چلتا ہے کہ یہ پانی نہیں ریت ہے۔ وہ شخص جو نورِ ایمان سے محروم ہو' اگر وہ میدانِ حشر میں کچھ اعمال لے کر بھی آیا ہوگا جو ایمان اور خلوص کے بغیر کیے گئے ہوں گے تو اس کے پلے کچھ ہاتھ نہیں آئے گا' اسے کوئی اچھا بدلہ نہیں ملے گا۔ کسی مسلمان کے عمل میں اخلاص کا نہ ہونا دراصل ایمانِ حقیقی سے محرومی کی علامت ہے۔ دکھاوے کا عمل کرنے والوں کا ذکر سورۃ النساء میں اس طرح آیا ہے: ﴿وَالَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَہُمۡ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَلَا بِالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ ؕ﴾ (آیت ۳۸) ''اور جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال لوگوں کو دکھانے کے لیے وہ درحقیقت ایمان نہیں رکھتے اللہ پر اور نہ ہی روزِ آخرت پر''۔ ایک حدیث مبارکہ کے مطابق روزِ قیامت تین ریاکار اشخاص کو خلوص نہ ہونے پر جہنم میں ڈال دیا جائے گا' ان میں ایک عالم' ایک شہید اور ایک سخی شامل ہے۔ ان کے اعمال بڑے بڑے تھے' لیکن چونکہ دکھاوے کے لیے کیے گئے تھے' لہٰذا ان کا یہ حشر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔

ایمان اور اعمال سے محروم کی تمثیل

آیت ۴۰ میں ارشاد ہوا:

﴿اَوۡ کَظُلُمٰتٍ فِیۡ بَحۡرٍ لُّجِّیٍّ یَّغۡشٰہُ مَوۡجٌ مِّنۡ فَوۡقِہٖ مَوۡجٌ مِّنۡ فَوۡقِہٖ سَحَابٌ ؕ ظُلُمٰتٌۢ بَعۡضُہَا فَوۡقَ بَعۡضٍ ؕ اِذَاۤ اَخۡرَجَ یَدَہٗ لَمۡ یَکَدۡ یَرٰىہَا ؕ وَمَنۡ لَّمۡ یَجۡعَلِ اللّٰہُ لَہٗ نُوۡرًا فَمَا لَہٗ مِنۡ نُّوۡرٍ ﴿۴۰﴾﴾

''یا اندھیروں کی طرح کسی گہرے سمندر میں' جس پر چڑھی آتی ہو موج اور اس کے اوپر ایک اور موج' اس کے اوپر ہو بادل۔ اندھیروں پر اندھیرے ہیں۔ یہاں تک کہ جب وہ اپنا ہاتھ نکالے تو اسے دیکھ بھی نہ سکے۔ اور جس کو اللہ روشنی نہ دے' اس کے لیے کوئی روشنی نہیں۔''

یہ ایمان اور عمل دونوں سے محروم شخص کے لیے انتہائی تاریکی کی تمثیل ہے۔ پہلی تمثیل میں ''نُورٌ عَلٰی نُور'' یعنی روشنی پر روشنی والی بات آئی تھی اور یہاں اب اندھیروں پر

اندھیرے کا ذکر آیا ہے۔

ایک فرانسیسی امیر البحر اسی قرآنی تمثیل کی بنا پر ایمان سے مشرف ہوگیا تھا۔ اس لیے کہ اس نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ صاحبِ قرآن نبی آخر الزمان ﷺ نے زندگی بھر کبھی سمندری سفر نہیں کیا‘ جبکہ اس کا کہنا تھا کہ ظلمتِ مطلق اور تاریکی محض کی یہ تمثیل تو صرف وہ شخص دے سکتا ہے جس کی بیشتر زندگی سمندر کے سفر میں گزری ہو اور اسے گہرے سمندر میں اکثر طوفانوں سے سابقہ پیش آیا ہو۔ قرآن سائنس کی نہیں‘ بلکہ ہدایت کی کتاب ہے۔ سائنسی حقیقت کی طرف اشارہ اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن مجید اللہ کا نازل کردہ کلام ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسی تاریکی سے بچائے اور ہمیں نور عطا فرمائے۔

نبی اکرم ﷺ کی ایک بڑی پیاری دعا پر اس درس کا اختتام کرتا ہوں‘ جو آپ ﷺ خاص طور پر فجر کی سنتوں کے بعد پڑھا کرتے تھے:

((اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ فِیْ قَلْبِیْ نُوْرًا وَفِیْ بَصَرِیْ نُوْرًا وَفِیْ سَمْعِیْ نُوْرًا وَعَنْ یَمِیْنِیْ نُوْرًا وَعَنْ یَسَارِیْ نُوْرًا وَفَوْقِیْ نُوْرًا وَتَحْتِیْ نُوْرًا وَاَمَامِیْ نُوْرًا وَخَلْفِیْ نُوْرًا وَاجْعَلْ لِیْ نُوْرًا وَفِیْ لِسَانِیْ نُوْرًا وَفِیْ عَصَبِیْ نُوْرًا وَلَحْمِیْ نُوْرًا وَدَمِیْ نُوْرًا وَشَعْرِیْ نُوْرًا وَبَشَرِیْ نُوْرًا وَاجْعَلْ فِیْ نَفْسِیْ نُوْرًا وَعَظِّمْ لِیْ نُوْرًا‘ اَللّٰھُمَّ اَعْطِنِیْ نُوْرًا)) (متفق علیہ)

’’اے اللہ! میرے دل میں نور عطا فرما‘ میری بصارت میں نور عطا فرما‘ میری سماعت میں نور عطا فرما‘ اور میری داہنی جانب سے نور دے‘ میری بائیں جانب سے بھی نور عنایت کر‘ اور میرے اوپر سے نور دے‘ میرے قدموں تلے سے نور دے‘ اور میرے سامنے سے نور دے‘ میری پشت کے پیچھے سے نور دے‘ اور میرے لیے نور ہی نور کر دے! اور میری زبان میں نور بھر دے‘ اور میرے رگ وپے میں نور بھر دے‘ اور میرے گوشت میں نور بھر دے‘ اور میرے خون میں نور بھر دے‘ اور میرے بالوں میں نور بھر دے‘ اور میری کھال میں نور بھر دے‘ اور میری جان کو نور سے لبریز کر دے اور میرے نور کو فراخ و وسیع فرما دے اور مجھے نور ہی نور عطا کر!‘‘

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے دل کو نورِ ایمان سے منور فرما دے۔ آمین!

❁❁❁

موجودہ اسرائیلی ریاست کا مستقبل؟

سورہ بنی اسرائیل کی آیات ۴ تا ۸ کی روشنی میں

محمد نذیر یٰسین

کچھ عرصہ قبل دورانِ سفر ایک ایسا نعرہ پڑھنے کو ملا جو اگرچہ عالمی اتحادِ ثلاثہ (امریکا‘ بھارت اور اسرائیل) کے خلاف عوامی نفرت کا ایک اظہار تھا‘ مگر اُس میں ایک لحاظ سے توہینِ باری تعالیٰ کے ساتھ ساتھ اللہ کے جلیل القدر پیغمبر‘ حضرت یعقوب علیہ السلام کی توہین کا پہلو بھی موجود تھا۔ یہ نعرہ کچھ یوں تھا: ’’ایک سے بڑھ کر ایک ذلیل: امریکا‘ بھارت اور اسرائیل‘‘۔ ہم میں سے بہت سے لوگ جانتے ہیں (اور جو نہیں جانتے‘ اُنہیں بھی معلوم ہونا چاہیے) کہ ’’اسرائیل‘‘ حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب تھا اور اُنہی کے نام سے موجودہ صہیونی ریاست کو موسوم کیا گیا ہے۔ عبرانی زبان میں ’’اسرائیل‘‘ کا مفہوم بالکل وہی ہے جو عربی زبان میں لفظ ’’عبداللہ‘‘ (یعنی اللہ کا بندہ) کا ہے۔ اس اعتبار سے ہمیں ہر اُس لفظ کے منفی‘ بے جا اور اندھا دھند استعمال سے گریز کرنا چاہیے جسے مذہبی حوالے سے تقدس کا درجہ حاصل ہو۔

امریکا‘ بھارت اور اسرائیل کی حکومتیں ایک طویل عرصہ سے عالمی اور ریاستی سطح پر جس دہشت گردی کا ارتکاب کر رہی ہیں‘ اس کی برائی و مذمت کے لیے ’’ذلیل‘‘ کا لفظ ویسے بھی کافی ہلکا دکھائی دیتا ہے۔ اُن کے بہیمانہ مظالم و جرائم کے بیان کے لیے نہ صرف سخت سے سخت تر الفاظ کا چناؤ ممکن ہے بلکہ انہیں بیان کرنے کے لیے دفتر کے دفتر بھی تحریر کیے جا سکتے ہیں۔ اگرچہ مکافاتِ عمل کے فطری و ابدی اصول کی روشنی میں ان اقوام یا ریاستوں کی بداعمالیوں کا نتیجہ اُن کے زوال یا خاتمہ کی صورت میں جلد یا بدیر ظاہر ہو کر رہے گا‘ تاہم اسرائیلی ریاست کے مستقبل کے بارے میں قرآن حکیم‘ احادیثِ مبارکہ اور بائبل میں بعض لطیف اشارے بھی موجود ہیں۔ اس ضمن میں یہودیوں کی اجتماعی نفسیات‘ ان کی ہزاروں سالوں پر محیط تاریخ اور

دوسری اقوام کے ساتھ ان کے تعلقاتِ کار کا مطالعہ بھی بہت مفید رہے گا۔

اس وقت دنیا میں یہودیوں کی آبادی کا تخمینہ ڈیڑھ کروڑ ہے‘ جبکہ مسلمانوں کا ڈیڑھ ارب کے لگ بھگ بیان کیا جاتا ہے۔ اتنی کم آبادی کی حامل ہونے کے باوجود یہ قوم آپس میں بہت زیادہ تقسیم و انتشار کا شکار ہے اور اس میں بے شمار نکتہ ہائے نظر و متضاد خیالات و نظریات کے حامل لوگ پائے جاتے ہیں۔ ایک حدیثِ نبوی ﷺ کے مطابق بنی اسرائیل بہتر (۷۲) فرقوں میں تقسیم ہوئے تھے اور اُمتِ مسلمہ تہتر (۷۳) فرقوں میں تقسیم ہوگی۔ اس روایت کی رو سے مسلمانوں کا انتشارِ باہمی (آبادی کے تناسب سے) یہودیوں کے انتشارِ باہمی کے سامنے بالکل ہیچ دکھائی دیتا ہے‘ اور اسے اُمتِ مسلمہ کے اُمتِ یہود پر افضل و برتر ہونے کی ایک علامت بھی کہا جا سکتا ہے۔

قرآن حکیم میں یہودیوں کی اس غیر معمولی تقسیم و انتشارِ باہمی کی وجہ اُن کا باہمی بغض و عناد بیان کیا گیا ہے:

﴿وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ۝۶۴﴾ (المائدة)

’’اور ہم نے اُن (یہود) کے مابین قیامت تک کے لیے بغض و عناد ڈال دیا ہے۔ جب کبھی یہ جنگ کی آگ بھڑکاتے ہیں تو اللہ اسے بجھا دیتا ہے‘ اور وہ زمین میں فساد مچانے کے لیے دوڑ دھوپ کرتے رہتے ہیں۔ اور اللہ فساد برپا کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔‘‘

مذکورہ بالا آیہ مبارکہ کے الفاظ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہودی بنیادی طور پر ایک فتنہ و فساد پیدا کرنے والی اور جنگوں کی آگ بھڑکانے والی قوم ہے‘ جس کی بھرپور تائید اس قوم کے بھیانک تاریخی کردار سے بھی ہوتی ہے۔ عیسائیوں کی باہمی چپقلش ہو یا مسلمانوں کی باہمی لڑائیاں‘ صلیبی یلغار ہو یا تاتاری فتنہ‘ ان تمام واقعات میں کسی نہ کسی انداز میں یہودی ہاتھ ضرور کارفرما نظر آتا ہے۔ حالیہ دور میں جنگِ عظیم اوّل ہو یا دوم‘ امریکا اور روس کے مابین سرد جنگ ہو یا پھر موجودہ نام نہاد دہشت گردی کے خلاف جنگ‘ سبھی واقعات میں یہودیوں کا کوئی

نہ کوئی گروہ ضرور ملوث دکھائی دیتا ہے۔ ازروئے قرآن چونکہ یہودیوں کے مابین ہمیشہ کے لیے بغض وعناد ڈال دیا گیا ہے' لہٰذا جب اُن کا کوئی گروہ اپنے مفادات کی خاطر زمین میں کہیں فتنہ وفساد اور جنگ کی آگ بھڑکاتا ہے تو اُنہی کا کوئی دوسرا گروہ مشیتِ الٰہی کے تحت اسے ٹھنڈا کرنے میں بھی بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر ملوث دکھائی دیتا ہے۔ اس کی واضح مثال حالیہ دور میں سوشلزم اور کیپٹل ازم کی جنگ بھی ہے۔ سوشلزم کا نظریہ ایک یہودی کارل مارکس نے پیش کیا تھا' جس کی بنیاد پر اوّلین انقلاب روس میں آیا تھا اور اس انقلاب کے روحِ رواں لینن اور ٹراٹسکی وغیرہ بیشتر یہودی تھے۔ اس سوشلزم کو سب سے زیادہ مزاحمت کا سامنا اُس سرمایہ دار بلاک کی طرف سے کرنا پڑا تھا جس کی باگ ڈور بھی یہودی ساہوکاروں کے ہاتھوں میں تھی۔

ہم اس حقیقت سے بھی آگاہ ہیں کہ ہجرتِ نبوی ﷺ سے قبل یہود کے تین قبائل مدینہ منورہ میں آباد تھے' مگر یہ قبائل اسلام کے خلاف ایک متحدہ محاذ بنانے میں ناکام رہے تھے اور ایک ایک کر کے مسلمانوں کے راستے سے ہٹتے چلے گئے تھے۔

یہ بات بھی توجہ طلب ہے کہ دورِ حاضر کے یہودیوں کی ایک بڑی تعداد بھی موجودہ صہیونی ریاست کے قیام کو درست نہیں سمجھتی ہے' یا پھر اسے اپنی امنگوں اور معیارات کے مطابق نہیں پاتی ہے۔ لہٰذا عین ممکن ہے کہ مستقبل میں انہی لوگوں کا طرزِ عمل اور پالیسیاں موجودہ اسرائیلی ریاست کے خاتمے یا ناکامی کی ایک بڑی وجہ قرار پائیں۔

ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ یہودیوں کی بداعمالیوں کی وجہ سے اُن پر ہمیشہ کے لیے ذلت اور محتاجی کا عذاب تھوپا جا چکا ہے' جیسا کہ قرآن حکیم میں بایں الفاظ بیان کیا گیا ہے:

﴿ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَاۗءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿١١٢﴾﴾ (آل عمران)

''اُن (یہود) پر ذلت کی مار مسلط ہوگئی جہاں کہیں بھی وہ پائے جائیں' مگر یہ کہ پناہ میں آ جائیں اللہ کی اور پناہ میں آ جائیں انسانوں میں سے کسی (گروہ) کی' اور اُن پر محتاجی مسلط کر دی گئی بسبب اس کے کہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے اور انبیاء کو ناحق

قتل کرتے تھے' بسبب اس کے کہ وہ نافرمان اور حد سے بڑھ جانے والے تھے۔''

اس آیہ مبارکہ پر غور کریں تو علامہ اقبال کا فرمودہ ''فرنگ کی رگِ جاں پنجۂ یہود میں ہے!'' مبالغہ پر مشتمل دکھائی دیتا ہے' کیونکہ یہودی اپنی آبادی یا فوجی قوت کی بنا پر کبھی بھی اس قابل نہیں رہے کہ وہ کسی دوسری قوم پر غلبہ پا سکیں۔ اُن کی تمام تر کامیابیوں کا دارومدار اُن کی سازشی ذہنیت اور سرمایہ کے بل بوتے پر رہا ہے' جبکہ وہ اقوام جو یہودیوں کے ہاتھوں مغلوب ہوئیں یا اُن کے زیر اثر آئیں' محض اپنی کمزوریوں کا نشانہ بنیں۔ امریکا اور برطانیہ وغیرہ کے متعلق یہ عمومی خیال کہ وہ یہودیوں کے ہاتھوں یرغمال بن چکے ہیں' ایک حد تک ہی درست قرار دیا جا سکتا ہے۔ درحقیقت یہودیوں کے کثیر و بے مایہ مادّی وعلمی سرمائے سے استفادے کی ضرورت وخواہش نے اُنہیں یہودیوں کا دست نگر بنا رکھا ہے۔

جہاں تک برطانیہ' یورپ اور امریکا کی حمایت سے مشرقِ وسطیٰ میں اسرائیلی ریاست کے قیام اور اس کے تحفظ کی سامراجی پالیسیوں کا تعلق ہے تو ان کے پیچھے کئی مقاصد کارفرما نظر آتے ہیں' جن میں سے اہم ترین مقصد عرب ممالک کو اپنے قابو میں رکھنا اور ان کے معدنی وسائل کے بھرپور استحصال کی خواہش ہے۔

ان مقاصد کے حصول کے لیے سامراجی قوتوں نے یہ پالیسی اب تک بہت کامیابی کے ساتھ اختیار کی ہوئی ہے کہ مسلمانوں اور یہودیوں کے سیکولر ولبرل مزاج حکمران طبقات کو اپنا ہم خیال واتحادی بنائے رکھو اور اُنہیں اپنی صفوں میں موجود بنیاد پرست طبقات سے ڈراتے رہو' تا کہ اُن کے استعماری عزائم ومفادات بلا روک ٹوک پورے ہوتے رہیں۔

دنیا کے تمام مذاہب ومعاشروں (بشمول اُمتِ یہود اور اُمتِ مسلمہ) کے اندر راسخ العقیدہ لوگوں کے ایسے گروہ موجود ہوتے ہیں جنہیں جدید مغربی اصطلاح میں ''بنیاد پرست'' کا نام دیا گیا ہے۔ یہ وہ گروہ ہیں جو ایسی مذہبی ریاستوں کے قیام پر یقین رکھتے ہیں جہاں اُن کی مخصوص مذہبی تعلیمات وروایات کا ہی سکہ چلتا ہو۔ ان سیکولر اور بنیاد پرست طبقات کے درمیان ایک مسلسل کشاکش جاری ہے' جس کا نتیجہ اسلامی روایات اور دیگر آثار وقرائن کی رو سے بالآخر بنیاد پرست طبقات کے غلبہ کی صورت میں برآمد ہوگا۔

جہاں تک اُمتِ مسلمہ کا تعلق ہے تو ہم اُن روایات سے بخوبی واقف ہیں جن میں دو

مرتبہ ایسے نظامِ خلافت کے قیام کی بشارت دی گئی ہے جو عین اسلامی اصولوں پر استوار ہوگا۔ ان میں سے پہلا دور‘ حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا تھا‘ جبکہ دوسرا دور‘ ان شاء اللہ العزیز‘ مستقبل قریب میں آنے کی توقع کی جا رہی ہے۔

جس طرح احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اُمتِ مسلمہ کو دو مرتبہ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے قیام یا بالفاظِ دیگر ایک حقیقی و عظیم غلبہ و کامرانی کی خوشخبری دی گئی تھی‘ اُسی طرح قبل ازیں بنی اسرائیل کو بھی اُن کی الہامی کتب میں دو ہی بار غلبۂ عظیم حاصل ہونے کی بشارت دی گئی تھی‘ جس کا تذکرہ قرآن حکیم میں اس طرح سے کیا گیا ہے:

﴿وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ
وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ④ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ
بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ۭ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ⑤ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ
الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ⑥ اِنْ
اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۣ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ۭ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ
لِيَسُوْۗءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا
عَلَوْا تَتْبِيْرًا ⑦ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا
جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ⑧﴾ (بنی اسرائیل)

’’اور ہم نے بنی اسرائیل کو اُن کی کتاب میں اس فیصلہ سے آگاہ کر دیا تھا کہ تم ضرور زمین میں دو مرتبہ فساد برپا کرو گے اور تم (دو ہی مرتبہ زمین میں) ضرور غلبۂ عظیم (بھی) حاصل کرو گے۔ پھر جب اُن میں سے پہلے وعدہ کا وقت آ گیا تو ہم نے تم پر اپنے ایسے بندے مسلط کر دیے جو سخت جنگجو تھے‘ پس وہ تمہاری آبادیوں میں گھس گئے اور اللہ کا (پہلا) وعدہ پورا ہو گیا۔ پھر ہم نے اُن پر تمہاری باری لوٹا دی (یعنی اُن پر تمہیں غالب کر دیا) اور ہم نے تمہاری اموال اور اولاد سے مدد کی اور تمہیں گروہ کثیر بنا دیا۔ اگر تم نے بھلائی کی تو اپنی جانوں کے لیے کی اور اگر تم نے برائی کمائی تو اپنی ہی جانوں کے لیے کمائی۔ پس جب دوسرے وعدے کا وقت آ گیا (تو دوبارہ ہم نے تمہارے اوپر اپنے بندے مسلط کر دیے) تا کہ وہ تمہارے چہروں کو بگاڑ ڈالیں اور مسجد (اقصیٰ)

میں داخل ہو جائیں جیسا کہ وہ پہلی بار اُس میں داخل ہوئے تھے اور تا کہ وہ ہر اُس چیز کو بری طرح تباہ و برباد کر ڈالیں جس پر غلبہ پائیں۔ بعید نہیں کہ تمہارا رب تم پر (ایک بار پھر) رحم فرمائے‘ اور اگر تم دوبارہ ایسا کرو گے تو ہم بھی تمہارے ساتھ ویسا ہی (سلوک) کریں گے‘ اور ہم نے جہنم کو کافروں کے لیے ایک قید خانہ بنا رکھا ہے۔‘‘

مذکورہ بالا آیاتِ قرآنی میں بنی اسرائیل کے متعلق بیان کی گئی پیشین گوئیوں کی تشریح کے حوالے سے اگرچہ مفسّرین کی آراء میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے‘ تاہم ذیل میں بیان کی جانے والی تشریح کو اچھوتا تو قرار دیا جا سکتا ہے مگر امیدِ واثق ہے کہ اسے غیر مدلل اور غیر متوازن قرار دے کر ردّ نہیں کیا جا سکے گا:

(۱) افراد کی زندگیوں کی طرح اقوام کی زندگیوں کا بھی ایک پیمانہ ہوتا ہے۔ بنی اسرائیل کے متعلق مذکورہ بالا دونوں پیشین گوئیوں کی تکمیل کے عرصہ کو اس قوم کی پوری زندگی (حضرت موسیٰ علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان سے نزول) تک وسعت پذیر سمجھنا زیادہ مناسب ہوگا‘ نہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع آسمانی تک‘ جیسا کہ بالعموم سمجھا گیا ہے اور دونوں وعدوں کے پایۂ تکمیل تک پہنچ جانے کا حکم دے دیا گیا ہے۔ ان پیشین گوئیوں کو بنی اسرائیل کی حیاتِ کلی تک محیط سمجھا جائے تو اُن کے متعلق دوسرے وعدے کی تکمیل ہنوز باقی ہے۔

(۲) بنی اسرائیل کی طرف سے دو مرتبہ زمین میں فساد مچانے اور دو بار غلبہ و سربلندی حاصل کرنے سے اصل مراد عظیم ترین غلبہ و سربلندی حاصل کرنا ہی ہے‘ کیونکہ بالعموم کسی قوم کو حاصل ہونے والا غلبہ و اقتدار بالآخر اُس کے فساد فی الارض پر ہی منتج ہوا کرتا ہے۔ بنی اسرائیل کے حوالے سے فساد فی الارض کو مقدم کر کے بیان کرنے کی ایک وجہ اس قوم کی فسادی‘ عیارانہ اور سازشی ذہنیت ہے اور موجودہ دور میں اُنہیں حاصل ہونے والے عالمی غلبہ و سربلندی کو اسی ذہنیت کا مرہونِ منت قرار دیا جا سکتا ہے۔ بنی اسرائیل کو جو عظیم الشان ترقی‘ رفعت اور سربلندی حضرت داؤد علیہ السلام و حضرت سلیمان علیہ السلام وغیرہم کے دور میں حاصل ہوئی تھی‘ ویسی اگر دوبارہ حاصل ہو سکی ہے تو صرف موجودہ دور ہی میں حاصل ہو سکی ہے۔ پہلے دور میں اُنہیں یہ سربلندی‘ دینی و روحانی علوم میں ترقی کی بدولت حاصل ہوئی تھی‘ جبکہ دورِ حاضر میں اُن کے غلبے کی بڑی وجہ مادّی و سائنسی علوم اور جدید اسلحہ سازی میں دوسری تمام اقوام سے سبقت لے

جانا ہے‘ کیونکہ دورِ حاضر کی حیرت انگیز ترقی میں یہودی سائنسدانوں و دانشوروں کا کردار کلیدی اہمیت کا حامل رہا ہے۔

ایک رائے کے مطابق مکابی سلطنت کے قیام کی صورت میں بنی اسرائیل کو دوسری بار غلبہ وسربلندی حاصل ہو چکا ہے اور اُن کے اس غلبے کا خاتمہ ۷۰ء میں ٹائٹس رومی کے ہاتھوں شکست اور بیت المقدس کی بربادی کی صورت میں ہو گیا تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ بنی اسرائیل کو کامل شکست اسلام کے ابتدائی دور میں ممکن ہو سکی تھی‘ کیونکہ قبل ازیں وہ کسی نہ کسی انداز میں اقتدار اور اثر ورسوخ کے حامل رہے تھے‘ جس کی واضح مثالیں یمن‘ خیبر اور مدینہ وغیرہ میں اُن کے مضبوط مراکز اور گہرے اثر ورسوخ کی صورت میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

اگر بنی اسرائیل کو ’’وعدۂ الٰہی‘‘ کے مطابق دوسری بار بھی غلبہ وسربلندی حاصل ہو جانے کا کامل یقین نہ ہو چکا ہوتا تو یہ قوم کب کی مٹ چکی ہوتی۔ اس قوم کی تاریخ چار ہزار سال سے زائد ہے۔ اس طویل عرصہ کے دوران کتنی ہی اقوام عروج کے زینے پر چڑھیں اور فنا کے گھاٹ اُتر گئیں‘ مگر بنی اسرائیل کو نیست ونابود کرنے کی تمام تر کوششوں کے باوجود اسے ختم نہ کیا جا سکا۔ اس کی اہم ترین وجہ دوبارہ عروج وغلبہ کا وہ یقین وخواہش ہی ہے جو اُن کی مذہبی روایات میں ایک مسیحا یا نجات دہندہ کی آمد کی خبروں سے پھوٹتی ہے۔

جہاں تک اس قوم کی طرف سے دو مرتبہ عظیم ترین فساد فی الارض برپا کرنے کا تعلق ہے تو اُن کا پہلا فسادِ عظیم‘ اپنی طرف مبعوث ہونے والے عظیم رسول اور آیات اللہ میں سے ایک عظیم آیت (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کی تکذیب بلکہ اُنہیں سولی پر چڑھانے کی کوشش کو قرار دیا جا سکتا ہے۔ اُن کے اس دورِ فساد کو نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ کی تکذیب اور آپ کو قتل کرنے کی کوششوں تک بھی وسعت پذیر سمجھا جا سکتا ہے۔ اُن کا دوسرا فسادِ عظیم‘ موجودہ دور میں جاری وساری ہے‘ جو خروجِ دجال و یاجوج ماجوج کے وقت اپنے نقطہ کمال کو پہنچ جائے گا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے آسمان سے دوبارہ نزول کے بعد بھی جو لوگ راہِ راست پر نہ آئیں گے‘ وہی بدترین مفسد شمار ہوں گے جنہیں (از روئے احادیث) قتل کر دیا جائے گا۔

(۳) ﴿ثُمَّ رَدَدْنَا لَکُمُ الْکَرَّۃَ عَلَیْھِمْ﴾ ’’پھر ہم نے اُن پر تمہاری باری لوٹا دی‘‘ کے الفاظ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جو قوم پہلے فسادِ عظیم کے دوران یہودیوں پر غلبہ پائے گی‘ اُسی پر

اُنہیں دوبارہ غلبہ عطا کیا جائے گا۔ یہ تاریخی حقیقت بھی اُمتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے حوالے سے ہی صادق آتی ہے‘ کیونکہ موجودہ دور میں قومِ یہود‘ اُمتِ مسلمہ پر بالواسطہ اور بلاواسطہ طور پر غلبہ پانے اور اپنا حساب چکانے میں کامیاب ہو چکی ہے۔

یہودیوں پر سب سے پہلے اہل عراق نے بخت نصر کی قیادت میں غلبہ حاصل کیا تھا‘ اور عراقیوں پر قومِ یہود کا دوبارہ غلبہ تاریخ سے ثابت نہیں ہوتا۔ بعد ازاں اہل روم نے یہودیوں پر غلبہ حاصل کیا تھا‘ مگر اُن پر بھی یہودیوں کا دوبارہ غلبہ تاریخ سے ثابت نہیں ہوتا۔ اگرچہ آج اُنہی اہل روم کے وارثوں پر یہودیوں کو بالواسطہ طور پر غلبہ واثر ورسوخ حاصل ہو چکا ہے مگر اُس وقت غالب ہونے والے رومیوں کا مذہب تو بُت پرستی تھا جنہوں نے بعد ازاں عیسائیت قبول کر لی تھی۔ اس معاملے کو نسلی کی بجائے مذہبی حوالے سے ہی لینا چاہیے‘ اور مذہبی حوالے سے یہ حقیقت اُمتِ مسلمہ پر ہی فٹ بیٹھتی ہے جس نے اُنہیں مدینہ اور خیبر میں شکست دینے کے بعد اُن کے قبلہ بیت المقدس کو بھی اپنے کنٹرول میں لے لیا تھا۔ آج یہودی نہ صرف اپنے قبلہ پر قبضہ کر چکے ہیں بلکہ بین الاقوامی اداروں کے ذریعے بالواسطہ طور پر مسلمانوں پر حاوی بھی ہو چکے ہیں۔

مزید برآں پہلے وعدہ کے وقت بنی اسرائیل پر غالب آنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے ’’عِبَادًا لَّنَا‘‘ ’’اپنے بندے‘‘ قرار دیا ہے‘ جس پر بھی غور کیا جانا ضروری ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ سورۂ بنی اسرائیل (جس کا دوسرا نام سورۃ الاسراء بھی ہے) کا آغاز ہی واقعہ اِسراء سے ہوتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کو ’’عَبْدِہٖ‘‘ یعنی اپنا خاص بندہ قرار دیتا ہے۔ اس تناظر میں رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی اللہ کے وہ خاص‘ پسندیدہ ومقرب بندے ہیں جن پر ’’عِبَادًا لَّنَا‘‘ کے الفاظ سو فی صد منطبق ہوتے ہیں‘ کسی کافر قوم کے لیے یہ الفاظ زیب نہیں دیتے ہیں۔ اور اس حقیقت سے ہم بخوبی واقف ہیں کہ صحابہ کرامؓ نے مدینہ‘ خیبر اور بیت المقدس سمیت ہر اُس علاقے پر اپنی عملداری کامیابی سے قائم کر لی تھی جو کبھی بنی اسرائیل کے زیر تصرف رہے تھے۔ گویا الفاظِ قرآنی کے عین مطابق وہ (صحابہ کرامؓ) بنی اسرائیل کی آبادیوں میں گھس گئے تھے (یعنی اُن کے تمام علاقوں کو اپنے قبضے میں لے لیا تھا)۔

(۴) مذکورہ بالا آیات میں بیان کیے گئے ’’دوسرے وعدۂ الٰہی‘‘ (وَعْدُ الْاٰخِرَۃِ) کی تکمیل کے

وقت جو قوم کامیابی کے ساتھ مسجد اقصیٰ میں داخل ہوگی‘ وہ اس سے قبل بھی مسجدِ اقصیٰ اور بیت المقدس کو فتح کرنے کا اعزاز حاصل کر چکی ہوگی۔ یہ حقیقت بھی صرف اہل اسلام پر صادق آتی ہے جنہوں نے پہلی بار حضرت عمر فاروق ؓ کے دور میں بغیر جنگ کے بیت المقدس کا کنٹرول حاصل کیا تھا اور از روئے احادیث آئندہ بھی‘ ان شاء اللہ‘ اسے پرامن انداز میں فتح کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ ان احادیث میں سے مشہور ترین حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ:

((تَخْرُجُ مِنْ خُرَاسَانَ رَايَاتٌ سُوْدٌ لَا يَرُدُّهَا شَيْءٌ حَتّٰى تُنْصَبَ بِاِيْلِيَاءَ))

(رواہ الترمذی‘ عن ابی ہریرہ ؓ)

’’خراسان سے سیاہ پرچم نکلیں گے جنہیں کوئی چیز نہ روک سکے گی‘ یہاں تک کہ وہ ایلیاء (بیت المقدس کا پرانا نام) میں نصب کر دیے جائیں گے۔‘‘

اگرچہ حدیث میں وارد ’’رَایَاتٌ سُوْد‘‘ (سیاہ پرچموں) کے الفاظ کی وجہ سے بے شمار جماعتوں اور گروہوں نے سیاہ رنگ کے پرچم اختیار کر لیے ہیں‘ تاہم ان کی حقیقت وقت آنے پر ہی معلوم ہو سکے گی۔

(۵) دوسرے وعدۂ الٰہی کی تکمیل کے متعلق ایک اور قابل غور حقیقت یہ ہے کہ اُس وقت نہ صرف بہت زیادہ تباہی و بربادی ہوگی بلکہ یہودیوں کے چہرے بھی مسخ کر دیے جائیں گے۔ اس حقیقت پر غور کرنے سے ممکنہ طور پر پیدا ہونے والی اس غلط فہمی کا ازالہ بھی ہو جانا چاہیے کہ سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کے دور میں دوسری مرتبہ بیت المقدس فتح کر کے مسلمانوں نے اس وعدۂ الٰہی کی تکمیل کر دی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ دورانِ جنگ چہرے مسخ ہو جانے کا کوئی واقعہ یہودیوں کی تاریخ میں نہ کبھی رونما ہوا ہے اور نہ ہی ماضی میں عملاً ایسا ممکن تھا‘ البتہ اسے مستقبل کی ایک ایسی جنگ کی پیشین گوئی ضرور کہا جا سکتا ہے جس میں نہ صرف بہت زیادہ تباہی ہوگی بلکہ لوگوں کی شکلیں بگاڑ دینے والے ہلاکت آفریں ایٹمی یا کیمیائی ہتھیار استعمال ہوں گے۔ بائبل اور اسلامی روایات کی رو سے ہم جانتے ہی ہیں کہ ارضِ فلسطین میں ایک عظیم ترین جنگ یعنی ’’المَلحمة العُظمٰی‘‘ وقوع پذیر ہوگی‘ جسے اہلِ کتاب کی روایات میں ہرمجدون یا آرمیگاڈون (Armageddon) کا نام دیا گیا ہے۔ ممکنہ طور پر اس جنگ کے فریق‘ مسلمان‘ عیسائی اور یہودی ہوں گے‘ اور بیت المقدس (یروشلم) ایک ایسا شہر ہے جسے ان

تینوں مذاہب کے پیروکار اپنے لیے مقدس و متبرک سمجھتے ہیں۔ اگرچہ روایات سے یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ آیا بیت المقدس پر مسلمانوں کا قبضہ اس جنگ عظیم کے نتیجہ میں بحال ہو سکے گا یا پھر یہ جنگ بیت المقدس پر مسلمانوں کے قبضے کے ردِّعمل میں ہی پیش آئے گی‘ تاہم اُس جنگ کے نتیجے میں موجودہ صہیونی ریاست کا خاتمہ ایک یقینی امر ہوگا۔ اس حقیقت کی طرف اشارہ اُن احادیث سے بھی ہوتا ہے جو ظاہر کرتی ہیں کہ اس جنگ کے بعد اسلامی افواج پیش قدمی کرتے ہوئے قسطنطنیہ (موجودہ استنبول) پر اپنا کنٹرول قائم کریں گی‘ جو غالباً اُس وقت یورپی افواج کے زیر اثر آ چکا ہوگا۔

باقی جہاں تک المسیح الدجال کے ہاتھوں یہودی ریاست کے قیام کا تعلق ہے تو دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کا ظہور فتح قسطنطنیہ کے بعد عراق یا ایران کے کسی علاقے سے ہوگا‘ کیونکہ ایک روایت کے مطابق ایرانی شہر اصفہان کے یہودی اُس کے اوّلین پیروکار و مددگار ہوں گے۔ اس علاقے سے خروجِ دجال کے امکان کی تائید نہ صرف موجودہ زمینی حقائق سے ہوتی ہے‘ بلکہ مستقبل میں حضرت امام مہدی کے ذریعے قائم ہونے والی اسلامی خلافت کا قیام بھی اسی امکان کی نشاندہی کرتا ہے۔

زمینی حقیقت یہ ہے کہ اس وقت مشرق وسطیٰ میں اسرائیل کے بعد یہودیوں کی سب سے زیادہ تعداد ایران میں بستی ہے‘ جبکہ مستقبل کی بدیہی حقیقت یہ ہے کہ حضرت مہدی کی اسلامی خلافت اس علاقے میں بسنے والے اکثریتی‘ اثنا عشری فرقے کے تصورات و نظریات سے متصادم ہوگی۔ اس خطے میں دجالی ریاست کا قیام اثنا عشری فرقے کی تائید و حمایت اور عملی تعاون کے بغیر ممکن نہیں۔ امام غائب کے مہمل تصور کی وجہ سے اس فرقے کے لوگوں کی طرف سے‘ اچانک رونما ہونے والے کسی رہنما کو اپنا مطاع بنا لینا کوئی ایسی بعید و ناممکن بات بھی نہیں ہے۔ احادیث میں دجال کے یہودی النسل ہونے کی خبر ضرور ہے‘ مگر یہ ثابت نہیں کہ وہ صرف یہودیت کا علمبردار ہوگا۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کے ساتھیوں اور پشت پناہی کرنے والوں میں ہر طرح کے لوگ شامل ہوں گے۔ زیادہ امکان یہی ہے کہ وہ حضرت مہدی کی خلافت کے مقابلے میں اسلام کا لبادہ اوڑھ کر ہی منظر عام پر آئے گا‘ اگرچہ وہ بین المذاہب ہم آہنگی و مفاہمت کا علمبردار بھی ہوگا۔ یہ کوئی ایسی انہونی و بعید از عقل بات بھی نہیں

ہے' کیونکہ دشمنی ومنافرت کی سیاست کو زیادہ عرصے تک پذیرائی نہیں ملا کرتی۔ع ''بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے!'' کے مصداق کیا آج ہمارے ملک پاکستان میں تقسیم ونفرت کی سیاست کرنے والی جماعتیں مفاہمت وقومی یکجہتی کی پرچارک نہیں بن چکی ہیں؟

بہرکیف ایران وعراق کے علاقے میں یہودیوں کی بڑے پیمانے پر موجودگی و اثر ورسوخ اور مستقبل کی اسلامی خلافت کے متعلق اثنا عشری فرقے کا ممکنہ معاندانہ رویہ' یہ دو ایسے بڑے زمینی حقائق ہیں جن کی بنا پر اس خطے میں مسیح الدجال کی زیر قیادت دجالی ریاست کے قیام کی راہ ہموار ہو سکے گی۔ اسی سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرنے میں بھی حق بجانب ہیں کہ موجودہ صہیونی ریاست کے خاتمے میں یہودیوں (بالخصوص اس علاقے میں رہنے والوں کا) ایک گروہ بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر اپنا کردار ضرور ادا کرے گا۔ یعنی سورۃ المائدہ کی آیت ۶۴ میں بیان کردہ یہودیوں کا باہمی بغض وعناد بھی موجودہ صہیونی ریاست کے خاتمے کا ایک سبب ہوگا۔

یہودیوں کی تاریخ بالخصوص نبی کریم ﷺ کے دور میں یہودیوں کا مجموعی طرزِ عمل بھی اسی حقیقت کا اظہار کرتا ہے۔ اگر اُس وقت مدینہ میں بسنے والے یہودی اسلام کے خلاف متحد ہونے کی بجائے ایک ایک کر کے شکست فاش سے دوچار ہوئے تھے تو آج دنیا بھر میں بکھرے ہوئے یہودیوں کا ایک ہی ایجنڈے پر کامل اتفاق کیونکر ممکن ہے؟ اگر آج مسلمان باہم دست و گریبان ہورہے ہیں تو کوئی اور قوم کیوں نہیں ہوسکتی؟

آخر میں ہم قارئین کو اس خطے میں پیش آنے والے ماضی قریب کے دو واقعات پر غور و فکر کی دعوت بھی دیے جاتے ہیں۔ پہلا واقعہ ایران عراق جنگ کے متعلق ہے جس کے متعلق حال ہی میں یہ انکشاف سامنے آیا ہے کہ عراق کی طرح ایران کو بھی اسلحہ (بالواسطہ طور پر) امریکہ سے ہی آتا رہا تھا۔ یہ کام یقیناً یہودیوں کا کوئی مضبوط مافیا ہی سرانجام دیتا رہا ہوگا۔ دوسرا واقعہ لبنان کی حزب اللہ ملیشیا اور اسرائیل کی جنگ سے تعلق رکھتا ہے۔ اس جنگ کے دوران امریکی واسرائیلی حکومت کی طرف سے تواتر کے ساتھ یہ الزام عائد کیا گیا تھا کہ حزب اللہ ملیشیا کو اسلحہ ایرانی حکومت فراہم کررہی ہے۔ ایران کی سرحد لبنان کے ساتھ نہیں ملتی' تو پھر کڑی امریکی نگرانی اور پابندیوں کے باوجود ایرانی حکومت کے لیے ایسا کیونکر ممکن ہوسکتا تھا؟

(باقی صفحہ 56 پر)

عیدِ قربان: فریضۂ خداوندی

اور بین الاقوامی معاشی سرگرمی

محمد ندیم اعوان

گزشتہ ماہ عالمِ اسلام میں عید الاضحیٰ پورے جوش و جذبہ سے منائی گئی اور مکہ مکرمہ میں منیٰ کے علاوہ پوری دنیا میں کروڑوں جانور سنتِ ابراہیمی کی پیروی میں قربان کیے گئے۔ جہاں تک عید الاضحیٰ کے موقع پر قربانی کی مشروعیت اور اس کے مسنون ہونے کا تعلق ہے' تو یہ مسئلہ ابتدا سے اُمت میں متفق علیہ چلا آ رہا ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں رہا ہے۔ اس موقع پر قربانی کا سب سے بڑا ثبوت تواتر ہے جس پر نبی آخر الزماں حضرت محمدﷺ کے عہدِ مبارک سے لے کر آج تک مسلمانوں کی ہر نسل کے بعد دوسری نسل عمل کرتی چلی آ رہی ہے۔ اس سنت پر دو چار یا پانچ دس افراد عمل نہیں کر رہے' بلکہ ہر پشت کے لاکھوں کروڑوں مسلمانوں نے اپنے سے پہلی پشت کے لاکھوں کروڑوں مسلمانوں سے اس عمل کو اخذ کیا ہے اور اپنے سے بعد والی پشت کے لاکھوں' کروڑوں مسلمانوں تک اسے پہنچایا ہے۔ یہاں تک کہ معتزلہ' جو ابتدائی زمانہ میں حدیث اور سنت نبوی سے گریزاں رہے ہیں' بھی قربانی کا انکار نہ کر پائے۔ لیکن ہمارے ہاں ایک طبقہ ایسا ہے کہ عید قربان کے دن قریب آتے ہی ان کے پیٹ میں مروڑ اٹھنے لگتا ہے اور عید الاضحیٰ کے موقع پر اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے امت مسلمہ کی طرف سے کروڑوں کی تعداد میں جانوروں کی قربانی انہیں ہضم نہیں ہوتی۔

یہ وہ طبقہ ہے جو اسلام کو اپنی محکم بنیادوں سے اکھاڑ کر مغربی بنیادوں پر استوار کرنا چاہتا ہے۔ یہ لوگ ماڈرن اسلام کے داعی ہیں اور اسلام کی وہ تعبیر پیش کرتے ہیں جس پر مغرب کو کوئی اعتراض نہ ہو۔ اور اگر اس کے بعد بھی مغرب کو کسی امر پر اعتراض ہوتا ہے تو اُس کی کوئی غیر معقول تاویل کر کے اُسے مغربی تصورات کے قالب میں ڈھال دیا جاتا ہے۔ یہ لوگ

اسلامی احکامات کی مشروعیت میں اندھا دھند عقلی گھوڑے دوڑانے کے بڑے شوقین پائے گئے ہیں اور ہر عمل میں حکمت اور علت کو ٹٹولنے کی تاک میں ہوتے ہیں۔ جب ان کی نارسا اور محدود عقل کسی ظاہری فائدے کے ادراک میں ناکام ہو جاتی ہے تو اپنی بھٹکی ہوئی عقل کی بدولت اُس حکم کی مشروعیت اور اُس عمل کی روح کو کچلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کے بیانات اور موقف کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ لوگ فکری ارتداد کے مرتکب ہو چکے ہوتے ہیں' لیکن اِن میں وہ اخلاقی جرأت نہیں ہوتی کہ کھلم کھلا اپنے فکری ارتداد کا اعلان کر سکیں۔

قربانی کے حوالے سے ان مغرب زدہ دانشوروں اور تجزیہ نگاروں کا موقف یہ ہے کہ قربانی بعد کی ایجاد ہے اور یہ دین کا کوئی مشروع یا مسنون عمل نہیں' لیکن بعد کے مسلمانوں نے اس عمل کو تواتر سے زندہ رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ بجائے کم ہونے کے اس پر عمل کرنے والوں کی تعداد بڑھ رہی ہے۔ ان لوگوں کو یہ بات کون یاد دلائے کہ رسول اللہﷺ نے خود مسلسل آخری دس سال قربانی کا فریضہ سرانجام دیا اور اس پر مستزاد آپﷺ نے فرمایا: ''جو شخص عید الاضحیٰ کے دن استطاعت کے باوجود بھی قربانی نہ کرے وہ ہماری عید گاہ کے قریب نہ آئے''۔ چنانچہ اس بارے میں بیسیوں احادیث پیش کی جاسکتی ہیں۔

اس بات کو اگر مان بھی لیا جائے کہ بعد کے لوگوں نے اس عمل کو ایجاد کر کے دین کا لازمی حصہ قرار دیا ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ تمام مسلمانوں نے اس عمل کو بلا چون و چرا قبول کر لیا ہو اور اس کے خلاف لب کشائی نہ کی ہو؟ حالانکہ وہ اعمال جو حضور اکرمﷺ کے دور میں نہیں پائے گئے اور بعد میں ایجاد ہوئے' اُن کی حقیقت کو آشکارا کرنے کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین' اسلاف' علمائے کرام اور عام مسلمانوں نے اپنا بھرپور کردار ادا کیا اور اُس عمل کی مخالفت کی۔ ایسا کبھی ممکن نہ تھا کہ ایک عمل کو رسول اللہﷺ کی طرف منسوب کیا جائے اور پوری کی پوری اُمت آنکھیں بند کر کے اسے قبول کر بیٹھے۔ قربانی کے عمل کو تواتر کے باوجود بھی اگر مشکوک قرار دے دیا جائے تو یہ معاملہ یہاں تک محدود نہیں رہتا' بلکہ دیگر عبادات مثلاً نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ' یہاں تک کہ حدیث اور قرآن مشکوک اور مشتبہ ہو جاتے ہیں' کیونکہ جس تواتر کے ساتھ ہمیں قربانی کا عمل پہنچا ہے اُسی تواتر کے ساتھ یہ سب چیزیں بھی پہنچی ہیں۔ تو آخر وہ کون سا عمل ہو سکتا ہے جس کو شک وشبہ سے بالاتر ٹھہرایا جائے؟ بڑے افسوس

سے کہنا پڑ رہا ہے کہ آج جو شخص جس دینی مسئلے پر چاہتا ہے بے تکلف بول پڑتا ہے اور اپنی رائے زنی کرتا ہے۔ حکومت کی طرف سے کوئی روک ٹوک نہیں۔ پھر اسے اس بات کی کوئی پروا نہیں ہوتی کہ اس کی اس ضرب سے صرف اسی مسئلے کی جڑ کٹتی ہے یا ساتھ ہی ساتھ دین کی جڑ بھی کٹ جاتی ہے۔

ان دانشوروں کے نزدیک اول تو جانوروں کی قربانی کوئی ایسا عمل نہیں جس کو ترک نہیں کیا جا سکتا‘ بلکہ ان کے نزدیک اس عمل کو ترک کیا جانا چاہیے‘ کیونکہ ایک طرف تو ان دنوں بلاوجہ کروڑوں جانوروں کا خون بہایا جاتا ہے جو کہ ایک ناروا کام اور جانوروں پر صریح ظلم ہے‘ جبکہ دوسری طرف قوم کے اربوں کھربوں روپے اس عمل پر برباد ہو جاتے ہیں۔ اگر اس رقم کو فلاحی کاموں‘ یعنی غریبوں‘ مسکینوں اور نادار طبقے کی امداد میں استعمال کیا جائے یا قربانی پر صرف ہونے والی اس رقم سے مختلف حکومتی ادارے اور بینک قائم کیے جائیں تو یہ ملک کی ترقی‘ خوشحالی‘ معاشی استحکام اور فلاح و بہبود کا سبب بنے گی۔

یہ اعتراضات اور بے ڈھنگے استدلالات ان کے ذہن میں اس لیے بھی آتے ہیں کہ انہوں نے عیدالاضحیٰ اور قربانی کو محض گوشت خوری کا اجتماعی پروگرام یا ایک تہوار سمجھ رکھا ہے‘ حالانکہ قربانی کا فلسفہ اور مقصد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت کے تسلسل کو برقرار رکھنا اور اُسی تناظر میں خود کو اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی اور اُس کی رضا کے لیے ہر قسم کی قربانی سے دریغ نہ کرنے کے سبق کو یاد کرنا ہے۔ جانوروں کی قربانی اُس عظیم الشان سبق کو یاد کرنے کا سبب ہے۔

عیدالاضحیٰ کے موقع پر جانوروں کی قربانی کو ظلم و زیادتی سے تعبیر کرنا خام خیالی‘ حیوانات کے مقصدِ تخلیق کو نہ سمجھنے اور نظامِ قدرت سے لاعلمی کا سبب ہے۔ ایکولوجیکل سائنس کہتی ہے کہ زمینی قدرتی نظام کا استحکام ایک دوسرے کے انحصار پر موقوف ہے۔ ایک دوسرے پر انحصار کا اندازہ آپ اس بات سے بآسانی لگا سکتے ہیں کہ آسمان پانی برساتا ہے‘ زمین اُس پانی کو جذب کرنے کے بعد سبزہ اُگاتی ہے۔ سبزے کی جڑوں میں کیڑے پائے جاتے ہیں‘ جنہیں ہرا بھرا پودا نکلنے کے بعد چوہے کھا جاتے ہیں۔ چوہوں کو سانپ کھاتے ہیں‘ سانپوں کو عقاب کھاتے ہیں۔ بکری اور ہرن جیسے جانور گھاس کھاتے ہیں اور اُنہیں شیر اور چیتے کا نوالہ بننا پڑتا ہے۔ شکاری شیر اور چیتے کا شکار کرتے ہیں۔ انسان جب بیمار ہوتا ہے تو جراثیم کی خوراک انسان

ہوتے ہیں۔ صحت یابی کے لیے انسان جڑی بوٹیوں اور کیمیکلز سے بنی ہوئی ادویات استعمال کرتا ہے۔ انسان مر جاتا ہے تو سانپ بچھو کی خوراک کا انتظام ہو جاتا ہے۔ ان حشرات کو سائنس دان پکڑ کے مار دیتے ہیں اور تجربات کے علاوہ ایڈز اور کینسر سے تحفظ کی ادویات بناتے ہیں تاکہ انسانوں کو بیماری سے محفوظ کیا جا سکے اور اسے دوام بخشا جائے۔

ایکولوجیکل سائنس کہتی ہے کہ اگر سارے سانپ مار دیے جائیں تو ہر جگہ چوہے ہی چوہے گھومتے پھریں۔ اگر شیر اور چیتے مار دیے جائیں تو سڑکوں پر ہرن اور بارہ سنگھے ہی نظر آئیں گے اور پاؤں دھرنے کی جگہ نہ ہوگی۔ اگر ساری بکریاں مار دی جائیں تو گھاس ہی گھاس ہو اور اگر انسان نہ مرے تو زمین پر مزید قدم جمانے کی جگہ نہ ہو۔ چوہے مار دیے جائیں تو سانپوں کا نام و نشان نہ ہو اور وہ بھی بھوک سے مر جائیں۔ شکاری کتے نہ ہوں تو سور کا شکار کون کرے گا؟ ہر جگہ سور ہی گھومتے پھریں گے اور انسان گھروں میں بیٹھے رہیں گے۔

آپ کو یہ جان کر حیرانی ہوگی کہ کئی برس پہلے ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن (WHO) نے چنگیز خان جس کے ہاتھ لاتعداد بے گناہ لوگوں کے خون سے آلودہ ہیں‘ کو دنیا کا سب سے بڑا ماحول دوست قرار دیا تھا۔ اُس رپورٹ میں تفصیل یوں دی گئی تھی کہ چنگیز خان نے اتنا قتل عام کیا کہ اس کی دہشت کی وجہ سے لوگ پہاڑوں پر چلے گئے‘ ایک عرصہ تک بستیاں ویران پڑی رہیں‘ لیکن دوسری طرف سبزہ اُگا اور جنگلات کا ایک سلسلہ اُگ آیا جو کہ ہزاروں میل پر محیط تھا۔ ماحول سازگار ہو گیا‘ بارشیں ہونے لگیں‘ جنگلات کی وجہ سے کھیت‘ پھل اور لکڑی کی فراوانی ہوگئی۔ معاشی حالات بہتر ہونے لگے۔ اگر انسان نہ مرتے تو ہر جگہ انسان ہی انسان ہوتے‘ آکسیجن کم ہو جاتی اور نظام تباہ ہو جاتا۔ اسی طرح تمام جاندار جنہیں کھایا جاتا ہے اگر زندہ ہی رہیں تو پورا نظام بگڑ جائے۔ یہاں ہر چیز ایک دوسرے پر منحصر ہے۔ خالق کائنات نے دنیا کو ایک سسٹم میں ڈھالا ہے۔ ہر چیز کو ایک دوسرے کے لیے پیدا کیا ہے۔ ہر چیز ایک دوسرے کی قربانی سے زندہ ہے اور یہ ایثار اس کائنات کی چابی ہے جس پر اس دنیا کا پورا نظام کھڑا ہے۔ اس پر انگلی اٹھانے والے کو ماحول اور انسان دشمن کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ لہٰذا عیدالاضحیٰ کے موقع پر جانوروں کی قربانی ظلم و زیادتی نہیں بلکہ ایک دینی فریضہ اور قانونِ قدرت کو استحکام بخشنے کا ذریعہ ہے۔

اس ضمن میں یہ بھی دیکھیے کہ جو ممالک سمندر کے کنارے ہیں جہاں کھانے کو صرف مچھلی ملتی ہے' جیسے جاپان وغیرہ' تو وہاں لوگ کیا کھائیں؟ جن ممالک میں لوگ کھانے کے لیے صرف بارہ سنگھے کا شکار کرتے ہیں وہ اگر جانوروں کا گوشت استعمال نہ کریں تو کدھر جائیں؟ دنیا بھر میں جس قدر جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے اگر وہ نہ کھایا جائے اور جانوروں کو ہم بطور خوراک استعمال نہ کریں' ہلاک نہ کریں تو دوسری غذائی اشیاء کی کمی پڑ جائے گی' اشیائے خورونوش کی قیمتیں آسمان سے باتیں کرنے لگیں گی اور بے کار مویشی ملکوں کے لیے مصیبت بن جائیں گے۔ جانور کا گوشت استعمال کرنے کی اجازت صرف اسلام نے نہیں دی' بلکہ دنیا کے ہر مذہب نے گوشت خوری کی اجازت دی ہے۔ ہندو مذہب میں بھی رام جی کا خود ہرن شکار کرنا اور اس کا گوشت استعمال کرنا رامائن سے ثابت ہے۔ مجھے بڑی حیرت ہوتی ہے کہ ان حضرات کو صرف عید قربان کے موقع پر ہی جانوروں کے حقوق کیوں یاد آجاتے ہیں' حالانکہ عید قربان کے علاوہ بھی ہر روز لاکھوں کی تعداد میں جانور ذبح کیے جاتے ہیں اور اُن کا گوشت پاکستان اور دیگر ممالک میں خوراک کی مختلف چیزوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ امریکہ کے ۲۵ مشہور فاسٹ فوڈ چینز مندرجہ ذیل ہیں:

(1) McDonalds (2) Starbucks Coffee (3) Subway
(4) Taco Bell (5) Burger King (6) Wendys
(7) Dunkin Donuts (8) Chick-fil-A (9) Pizza Hut
(10) Dominos (11) Panera Bread (12) Sonic Drive-In
(13) KFC (14) Applebees Neighborhood Grill & Bar
(15) Olive Garden (16) Chipotle Mexican Grill
(17) Buffalo Wild Wings (18) Arbys
(19) Little Caesars Pizza (20) Dairy Queen
(21) Jack in the Box (22) Chilis Grill & Bar (23) IHOP
(24) Papa Johns Pizza (25) Cracker Barrel Old Country Store

۲۰۱۶ء میں ان تمام فوڈ چینز کی سالانہ آمدنی ۱۸۵ ارب ڈالر سے تجاوز کر گئی ہے۔ یہ کمپنیاں روزانہ کی بنیاد پر سینکڑوں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں جانور ذبح کرتی ہیں۔ ۲۰۱۷ء میں امریکی کمپنی Jose Batista Sobrinho دنیا کی سب سے بڑی گوشت کی کمپنی بن چکی ہے۔ اس کی

سالانہ آمدنی ساڑھے پانچ ارب ڈالر ہے۔ کمپنی کے ملازمین کی تعداد دو لاکھ ہے۔ یہ کمپنی ایک دن میں تقریباً ایک لاکھ مویشی ذبح کرتی ہے۔ اس کا گوشت مسلم اور غیر مسلم ممالک کو ایکسپورٹ کیا جاتا ہے' لیکن مجال ہے کہ کبھی ہمارے دانشوروں نے سال بھر میں جانوروں کے حقوق کا ڈھنڈورا پیٹا ہو۔

اس کے علاوہ جانوروں کے حقوق کے مجوزہ ٹھیکیداران کو جب بے وقت کی بھوک ستاتی ہے تو سب سے مہنگے ریسٹورنٹ میں چکن زنگر برگر' اٹیلین پیزا' چیسٹ پیس' لیگ پیس' ملائی بوٹی' تکّی' کڑھائی گوشت' سیخ کباب' بند کباب' ڈرم سٹکس' کلب چکن سینڈوچ' چکن فرائیڈ سینڈوچ' چکن شوارما' چکن پراٹھا رول' چکن منچورین' ریشمی کباب' بیف کباب' آلو گوشت' نمکین گوشت' کوفتے' مغز مسالہ' مٹن چنا دال' وائیٹ بیف رول' بیف چلی' چانپ فرائیڈ' مٹن بریانی' بیمے بریانی' چکن فرائیڈ تھریڈ رول' چکن رائس (پلاؤ)' بوآلڈ چکن رول' کھائے بغیر معدہ وطبیعت درست ہونے کا نام نہیں لیتی۔ کیا بغیر ذبح کیے' بغیر کھال اتارے' بغیر ہڈی بوٹی الگ کیے' بغیر چھری دکھائے' بغیر ایذا دیے' بغیر لہو بہائے' بغیر جان لیے یہ گوشت ان کے پیٹ میں اتر جاتا ہے؟ ہم بروز عید قرباں اگر جانور کو چھری دکھائیں تو ظالم و بے رحم ٹھہرے' لیکن یہ لوگ گوشت کو پراپر ڈائیٹ' پروٹین' وٹامن سے بھرپور انسانی صحت کے لیے مفید قرار دے کر منہ میں ٹھونس ٹھونس کر نگل رہے ہوتے ہیں' تب تو جانور کا درد محسوس کرنے سے قبل ڈاکٹر صاحب کا نسخہ یاد آجاتا ہے کہ بچے کو میٹ پروٹین کی اشد ضرورت ہے اور انجمن حقوقِ جانوراں کا متفقہ ڈھولکی باز ٹوتھ پک سے جبڑوں میں دھنسی بوٹیوں کے ریشے نکال رہا ہوتا ہے۔ اگر جانوروں کا اتنا ہی احساس ملحوظ ہے تو سب سے پہلے اپنے جوتے اتاریے اور ننگے پیر سڑک پر سفر کیجیے یا لوہے' پلاسٹک' لکڑی کے جوتے پہنیے۔ کاسمیٹکس سے لے کر صابن تک اور بستوں سے لے کر لیدر جیکٹس تک ان ہی مظلوم قربانی کے جانوروں کی چربی اور کھال سے تیار کردہ ہیں۔ یہ جو Hush puppies' Bata اور Servis برانڈز کے جوتے پاؤں میں ٹھونس کر گھومتے ہیں یہ بھی انہی مظلوم قربانی کے جانوروں کی مرہونِ منت ہیں' لیکن عید الاضحیٰ کے موقع پر سال بھر کی اپنی فضول خرچیاں بھول کر دو تین دنوں کے لیے غریبوں کی صف میں آ کھڑے ہوتے ہیں۔

ان کے ہاں قربانی کے جانوروں پر مال خرچ کرنے سے بہتر یہ ہے کہ غریبوں کی مدد کی

جائے یا حکومتی سطح پر معاشی سرگرمیوں پر یہ رقم صرف کی جائے تاکہ معیشت اپنے پیروں پر کھڑی ہوسکے۔ اس جدید ذہن کی حالت یہ ہے کہ اسے غریبوں کا خیال صرف عیدقربان پر خرچ ہونے والی رقم کے وقت ہی آتا ہے جو کہ ہر لحاظ سے غریب دوست رسم ہے۔ البتہ اسے ان کھربوں روپے کا ضیاع دکھائی نہیں دیتا جو ہر روز امیر لوگ پیزوں اور برگروں پر اڑا دیتے ہیں۔ ان کھربوں ڈالرز کے ضیاع پر یہ کبھی انگلی نہیں اٹھاتے جو یورپ اور امریکہ میں کتوں کے کھلونے بنانے میں خرچ ہوتے ہیں۔ ان کھربوں ڈالر کے ضیاع پر کسی کو تکلیف نہیں ہوتی جو ہر سال کاسمیٹکس انڈسٹری میں جھونک دیے جاتے ہیں جس کا مقصد فقط عارضی اور ظاہری خوبصورتی کے سوا کچھ نہیں۔ الغرض آپ اپنے اردگرد غور کیجیے کہ ٹریلین ڈالرز کے ان بیش قیمت ذرائع کے بے دریغ ضیاع پر تو یہ کبھی اعتراض نہیں کریں گے جو اپنی نوعیت میں غریب کے جذبات کچل دینے والے اخراجات ہیں، مگر عیدقربان کے موقع پر یہ غریب کے کچھ ایسے حمایتی بن جاتے ہیں گویا ان سے بڑا غریب پرور آج تک پیدا ہی نہیں ہوا۔ ان لوگوں کا اصل مسئلہ غریب پروری نہیں بلکہ مذہب دشمنی ہے جس کے لیے یہ کسی بھی موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔

ان کے ہاں ہر چیز کو معاشی مفاد کے ترازو میں ناپا جاتا ہے، اس لیے کہ مادہ پرستی ان کے دل ودماغ پر پوری طرح مسلط ہوگئی ہے۔ ان کی نگاہ میں معاشی قدر کے سوا کسی دوسری چیز کی قدر باقی ہی نہیں رہی۔ وہ حساب لگا کر دیکھتے ہیں کہ ہر سال لاکھوں کروڑوں مسلمان قربانی کرتے ہیں اور ایک اندازے کے مطابق فی کس اوسطاً خرچے کا جب حساب لگاتے ہیں تو اُن کے سامنے ایک بہت بڑی مجموعی رقم سامنے آتی ہے اور وہ چیخ اٹھتے ہیں کہ اتنا روپیہ محض جانوروں کی قربانی پر ''ضائع'' کیا جا رہا ہے، حالانکہ اگر یہی رقم قومی اداروں یا معاشی منصوبوں پر صرف کی جاتی تو اس سے بے شمار فائدے حاصل ہوسکتے تھے۔ اگر واقعی ہر چیز کو معاشی مفاد کے ترازو میں ناپا جاسکتا ہے تو کل کو دوسرا شخص حساب لگائے گا کہ ہر روز اتنے کروڑ مسلمان پانچ وقت نماز پڑھتے ہیں اور اس پر فی کس اوسطاً اتنا وقت صرف ہوتا ہے جس کا مجموعہ اتنے لاکھ گھنٹوں تک جا پہنچتا ہے۔ اس وقت کو اگر کسی مفید معاشی کام میں استعمال کیا جاتا تو اس سے اتنی معاشی دولت پیدا ہوسکتی تھی! کروڑوں مسلمانوں کے پانچ وقت وضو میں جو کروڑوں گیلن پانی استعمال ہوتا ہے اسے بھی پانی کا ''ضیاع'' قرار دیا جاسکتا ہے۔ پھر یہی منطق روزے اور

حج کے معاملے میں بھی بڑی کامیابی کے ساتھ استعمال کی جاسکتی ہے۔ اور اس کا آخری نتیجہ یہ ہے کہ آج کا مسلمان نری معیشت کی میزان پر تول کر اسلام کی ایک ایک چیز کو دیکھتا جائے گا اور ہر اس چیز کو 'ملاؤں کی ایجاد' قرار دے کر ساقط کرتا چلا جائے گا جو اس میزان میں اس کو بے وزن نظر آئے گی۔ کیا فی الواقع اب مسلمانوں کے پاس اپنے دین کے احکام کو جانچنے کے لیے صرف ایک یہی معیار رہ گیا ہے؟

پوری اُمتِ مسلمہ کا جانوروں کی قربانی دینا ایک ہی دین وملت اور ایک ہی تہذیب و ثقافت کے علمبردار ہونے کا وہ جذبہ واحساس پیدا کرتا ہے، جس کے مقابلے میں ہر مادی نقصان ہیچ ہے۔ ہر قوم کے قومی تہوار، افرادِ قوم میں وحدت کا وہ شعور پیدا کرتے ہیں جو ان کے قومی تشخص کو اُجاگر کرتا ہے، بلکہ نشو ونما دیتا رہتا ہے۔ اس قیمتی شعور واحساس کو معاشی اخراجات کے گز سے نہیں ناپا جا سکتا۔ آج مسیحیت پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔ مسیحی افراد وطنی، لونی، لسانی، نسلی اور معاشی طور پر کئی ایک طبقوں اور حصوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ شاید ان کے درمیان (مسیحیت کے نام کے علاوہ) کوئی قدر مشترک عملاً باقی نہیں ہے، ماسوا اس تہوار کے جو وہ ''کرسمس'' کے نام پر مناتے ہیں۔ سال بھر کے بعد یہ تہوار روئے زمین پر پھیلے ہوئے تمام عیسائیوں میں ایک مذہب وملت کے افراد ہونے کا احساس پیدا کر دیتا ہے، لہٰذا وہ اس کے مقابلے میں اس پر اٹھنے والے مصارف کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ اگر آپ کسی مسیحی سے یہ کہیں کہ: ''جناب آپ اس تہوار پر جس قدر رقم خرچ کرتے ہیں اسے آپ رفاہِ عامہ کے کام میں صرف کر کے اپنی قوم کی بہتر خدمت کر سکتے ہیں، لہٰذا اس تہوار کو منانا چھوڑ دیں'' تو وہ آپ کی معاشی میزان میں تلی ہوئی اس نصیحت کو آپ کے منہ پر دے مارے گا۔ ہندوؤں سے زیادہ زر پرست اور روپے پیسے پر جان دینے والی قوم کون سی ہوسکتی ہے؟ یہ لوگ بھی اپنے تہواروں پر اٹھنے والی رقوم کو اقتصادیات کے ترازو میں تولنے کے لیے آمادہ نہیں ہیں، کیونکہ یہ تہوار ان میں یکجہتی کا احساس اور وحدت کا شعور پیدا کرتے ہیں، لیکن ہمارے مہربان یہ وعظ فرماتے نہیں تھکتے کہ: ''ہر سال جتنے جانور ذبح کیے جاتے ہیں، اگر ان کی قیمت حکومت کے حوالے کر دی جائے تو سینکڑوں رفاہِ عامہ کے کام ہوسکتے ہیں۔''

قومی اور ملکی مفادات کی اتنی ہی فکر ہے تو ذرا سی تکلیف گوارا کر کے پہلے ملک بھر کے

ٹی وی چینلز‘ سینما ہالوں‘ قحبہ خانوں اور بدکاری واسراف کے دوسرے اڈوں پر تو اپنے ایجنٹ مقرر فرمایئے‘ تاکہ مسلمانوں کا جس قدر سرمایہ وہاں ضائع ہوتا ہے وہ قومی فنڈ میں وصول ہونا شروع ہو جائے اور اس طرح آپ ہر سال نہیں‘ بلکہ ہر روز ایک تجارتی بینک کھول سکیں گے۔ پھر اگر آپ میں کچھ تعمیری قوت موجود ہے تو قربانی کی تخریب کے بجائے آپ اُسے زکوٰۃ کی تعمیر میں کیوں نہیں صرف فرماتے‘ کہ تنہا اسی ایک چیز سے آپ وہ تمام قومی ضروریات پوری کر سکتے ہیں جن کی خاطر قربانی کے فریضہ کو مشکوک بنانے کی محنت آپ نے شروع کر رکھی ہے۔

ہمارے صاحبان کا مدعا ہے کہ یہ اضاعت مال ہے‘ لیکن میرے رب کا فرمان ہے: ﴿لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ ۖ﴾ ”اس میں تمہارے لیے بھلائی ہے!“ اور ﴿فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ۚ﴾ (الحج:٣٦) ”اس میں سے خود بھی کھاؤ اور قناعت سے بیٹھ رہنے والے اور سوال کرنے والوں کو بھی کھلاؤ!“ قربانی اگرچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کردہ ایک دینی فریضہ ہے‘ لیکن اگر قربانی کو خالصتاً معاشی نقطہ نظر سے بھی دیکھا جائے تو اس پر اعتراض صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو علم معاشیات کے مبادیات سے بھی ناواقف ہو۔

معروف ماہر معیشت جان مینارڈ کینز نے Investment Multiplier کے نام سے ایک نظریہ پیش کیا ہے۔ اس کا دعویٰ تھا کہ حکومت یا عام آدمی جب اپنی جیب سے چند روپے نکالتا ہے تو معیشت کا پہیہ حرکت میں آجاتا ہے۔ ان چند روپوں کا فائدہ پورے معاشرے اور پوری معیشت تک پہنچتا ہے۔ کینز کے اس نظریے کو مغربی نظریہ ”ویلفیئر اسٹیٹ“ کی بنیاد بنایا گیا ہے۔ اس نظریے کے مطابق عید الاضحیٰ بین الاقوامی معاشی سرگرمی یعنی Investment Multiplier ہے اور اس کا اندازہ آپ دنیا بھر کے ممالک میں ہونے والے عید الاضحیٰ کی قربانی کے اعداد و شمار سے بآسانی لگا سکتے ہیں۔

اسلامی دنیا کا آبادی کے لحاظ سے سب سے بڑا ملک انڈونیشیا ہے‘ جس میں ایک کروڑ آٹھ لاکھ چالیس ہزار لوگ ہر سال قربانی کرتے ہیں۔ اسلامی ممالک میں آبادی کے لحاظ سے دوسرے نمبر پر پاکستان ہے جس میں ہر سال ایک کروڑ بائیس لاکھ لوگ قربانی کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ اسی طرح بنگلہ دیش میں اسی لاکھ بہتّر ہزار‘ مصر میں باسٹھ لاکھ تئیس ہزار‘ ترکی میں اڑتالیس لاکھ بیس ہزار‘ ایران میں اکیس لاکھ‘ مراکو میں آٹھ لاکھ چالیس ہزار‘ عراق میں چار

لاکھ بہتر ہزار‘ الجیریا میں چار لاکھ بارہ ہزار‘ سوڈان میں دو لاکھ چون ہزار‘ سعودی عرب میں فریضہ حج کی وجہ سے قریباً ایک کروڑ پچاس لاکھ تیس ہزار‘ افغانستان میں دو لاکھ دس ہزار‘ ازبکستان میں ایک لاکھ ساٹھ ہزار‘ شام میں ایک لاکھ‘ کویت میں اٹھانوے ہزار‘ ملائیشیا میں پچانوے ہزار‘ تونیسیا میں ستاسی ہزار اور یمن میں اسّی ہزار لوگ قربانی کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر اسلامی ممالک جیسے فلسطین‘ لیبیا‘ اردن‘ جبوتی‘ موریطانیہ‘ گیمبیا‘ تاجکستان‘ آذربائیجان‘ ترکمانستان‘ قازقستان‘ کرغیزستان‘ قطر‘ بحرین‘ عمان اور متحدہ عرب امارات جیسے درجنوں ممالک ہیں جن میں عید الاضحیٰ کے موقع پر ہزاروں کی تعداد میں جانوروں کی قربانی دی جاتی ہے۔ بعض غیر مسلم ممالک میں بھی مسلمان قربانی کرتے ہیں اور اس کی سب سے بڑی مثال بھارت ہے‘ جس میں ایک کروڑ سے زائد لوگ قربانی کرتے ہیں۔ ان تمام کا مجموعہ چھ کروڑ بیس لاکھ ترانوے ہزار بنتا ہے۔ اگر اس میں دیگر تمام مسلم ممالک کے صرف پچاس لاکھ اور غیر مسلم ممالک بالخصوص بھارت کے مسلمانوں کو بھی شامل کر لیا جائے تو یہ مجموعہ سات کروڑ ستّر لاکھ ترانوے ہزار بن جاتا ہے۔ ہم حساب کتاب کی خاطر ہر چھوٹے بڑے جانور کا اوسطاً وزن پچاس کلوگرام مقرر کر لیتے ہیں تو یہ ایک ارب پچاس کروڑ کلو یعنی تین کروڑ پچھتر لاکھ مَن گوشت بن جاتا ہے۔ اگر ہم اس گوشت کی فی کلو قیمت پانچ سو روپے ہی رکھیں تو اس گوشت کی کل قیمت سات کھرب پچاس ارب بن جاتی ہے۔ اب ایک قدم اور آگے بڑھتے ہیں اور جانوروں کی کھالوں کا حساب لگاتے ہیں۔ ہم چھوٹی اور بڑی کھال کی اوسط قیمت اٹھارہ سو روپے ہی رکھ لیتے ہیں تو اس کا مجموعہ چوّن (۵۴) ارب روپے بن جاتے ہیں۔ یوں امت مسلمہ ہر سال آٹھ کھرب اور چار ارب سے زائد کی قربانی کرتی ہے۔

ایک رپورٹ کے مطابق صرف پچھلے سال پاکستان میں چھبیس لاکھ گائے بیل خریدے گئے‘ جن کی کل مالیت تقریباً ایک سو بیاسی ارب روپے بنتی ہے۔ اسی طرح چالیس لاکھ بکروں کی خریداری بھی تقریباً سوا ارب روپے میں ہوئی۔ اعداد و شمار سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ آٹھ لاکھ دنبے خریدنے پر عوام نے سولہ ارب خرچ کیے‘ جبکہ ایک لاکھ اوسط قیمت کے مطابق تین ہزار اونٹ تیس کروڑ روپے میں خریدے گئے۔ اب ظاہر ہے اِتنے جانور قربان ہوئے تو قصابوں کو کتنا فائدہ ہوا؟ صرف گائے بیل کی قربانی پر ساٹھ ارب بیس کروڑ سے زیادہ قصابوں کی جیبوں

میں گئے۔ آٹھ لاکھ دنبوں پر آٹھ کروڑ اور اونٹ نحر کرنے پر بیس ہزار کے حساب سے ساٹھ کروڑ کا خرچہ آیا‘ اس طرح مجموعی طور قصاب تیس ارب چالیس کروڑ روپے کما لے گئے۔ یہ صرف پاکستان میں قصائی طبقہ کی کمائی ہے۔ جانوروں کو منڈی تک لانے پر پانچ ارب ٹرانسپورٹ کا خرچہ آیا‘ پونے چار ارب جانوروں کے چارے کا خرچہ اور دیگر اخراجات مثلاً کوئلہ‘ سیخیں‘ چٹائیاں‘ ٹوکریاں وغیرہ گنتے جایئے اور اعداد وشمار کے آگے صفر لگاتے جایئے۔ اب اگر ایک قوم اتنی خطیر رقم معاشرے میں صرف کرے گی تو نتیجہ ظاہر ہے۔ اس رقم سے پیدا ہونے والی معاشی سرگرمیوں سے ایک دنیا کا مستفید ہونا لازمی امر ہے۔

اس کے علاوہ ملک میں فارمنگ اور کیٹل انڈسٹری نمو حاصل کرتی ہے جس سے بالعموم چھوٹا کسان یا غریب طبقہ ہی منسلک ہوتا ہے اور عید قربان پر اسے اپنی محنت کا اچھا مول مل جاتا ہے‘ جو عام مارکیٹ میں نہیں مل پاتا اور یوں ملک میں تقسیم دولت کا عمل پروان چڑھتا ہے جو معاشی استحکام کا سبب ہے۔ جو لوگ قربانی کی رقم کو غریب طبقہ میں تقسیم کرنے کی بات کرتے ہیں اُنہیں اس بات کا علم ہونا چاہیے کہ فقط روپے کی تقسیم غربت کا علاج نہیں‘ بلکہ غربت کے خاتمے کے لیے معاشی سرگرمیوں کا پہیہ چلانا پڑتا ہے اور قربانی کا یہ عمل معاشی سرگرمیوں کو تیز تر کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ پھر ان جانوروں سے جو کھال حاصل ہوتی ہے اس سے لیدر پراڈکٹس بنتی ہیں جس سے لاکھوں لوگوں کا روزگار وابستہ ہے۔ نقل وحمل کے ذرائع سے منسلک لوگ بھی ان دنوں میں جانوروں کی ترسیل کے کاروبار کے ذریعے آمدنی حاصل کرتے ہیں۔ الغرض عید قربان چند دنوں کے دوران اربوں روپے کی خطیر سیونگ کو سیال مادے میں تبدیل کر کے معاشی پہیہ تیز کرنے کا باعث بنتی ہے۔

یہ وہ مادہ پرستانہ سوچ ہے جس کے تحت قربانی کی مخالفت کی جارہی ہے۔ اس ذہنیت کا یہ کرشمہ ہے کہ وہ دین اسلام کے ایک ایک حکم کو اقتصادی مصالح کے ترازو میں تولتی ہے‘ اور جو فرمانِ خداوندی اس میزان میں پورا نہیں اترتا‘ یہ ذہنیت اسے کالعدم قرار دینے کے لیے راہیں تلاش کرتی ہے۔ اگر قربانی کی مخالفت میں اس مادہ پرستانہ ذہنیت کو اختیار کر لیا جائے تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ آج قربانی کا انکار کیا تو کل نماز کا انکار ہوگا‘ پرسوں روزوں کی باری آئے گی اور اس کے بعد حج سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔ الغرض پوری اسلامی تہذیب‘ اقتصادی

مصلحتوں کے خراد پر چڑھ جائے گی اور بالآخر چھل چھلا کر وہ ایسی شکل اختیار کرے گی کہ ماسوائے اسلام کے نام کے کوئی دینی چیز باقی نہ رہے گی اور بالآخر اسلام کا نام بھی مٹ جائے گا۔ اگر آج کے اس دورِ انحطاط میں ہم اعمال صالحہ کی روح سے محروم ہیں تو کم از کم یہ اعمال کے قالب تو موجود ہیں اور یہ بڑی غنیمت بھی ہے۔ مگر قربانی کے منکرین جس ذہنیت کی آڑ میں یہ کھیل کھیلنا چاہتے ہیں‘ اس سے ان کا مقصود ان اعمال کی روح ہی نہیں‘ ان کا وجود بھی مٹا دینے کا ہے۔

بقیہ: موجودہ اسرائیلی ریاست کا مستقبل؟

یقیناً اس کارستانی کے پیچھے بھی یہودیوں کا وہی گروہ ملوث رہا ہوگا جو موجودہ صہیونی ریاست کو اپنے تصورات کے مطابق نہیں پاتا اور اس کے خاتمے کا خواہاں ہے۔ اہلِ اسلام کی طرح روایات کی روشنی میں یہ یہودی گروہ بھی خوب جانتا ہے کہ مستقبل کی وسیع تر دجالی ریاست کے قیام کا آغاز ایران اور عراق کے علاقے سے ہوگا۔

سبھی جانتے ہیں کہ اسلام میں تشیع و رافضیت کا بیج بونے میں یہودیوں کا کردار بنیادی نوعیت کا رہا ہے‘ لہٰذا مستقبل میں یہودیوں کے عزائم کی تکمیل میں بھی شیعہ اثنا عشری فرقہ کو مرکزی حیثیت حاصل ہو جانا زیادہ تعجب و اچنبھے کی بات نہ ہوگی۔ بلاشبہ اہل بیت کے نام لیواؤں کے پاس ’’مظلومیت کی چادر‘‘ اور ’’جذبۂ حریت‘‘ کی ایسی عظیم میراث موجود ہے جسے کچھ غیر معمولی واقعات کے ذریعے مزید بڑھاوا دے کر مخصوص مقاصد کے حصول کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ کیا آج بھٹو خاندان کی ’’مظلومیت‘‘ اور پیپلز پارٹی کے کارکنوں کے ’’جیالا پن‘‘ کو مفاد پرستوں کا ایک مضبوط ٹولہ کامیابی کے ساتھ کیش نہیں کر رہا ہے؟ کیا یہودی‘ عیسائیوں کے پروٹیسٹنٹ (protestant) فرقہ کو پچھلی کئی صدیوں سے اپنے مقاصد کے لیے کامیابی کے ساتھ استعمال نہیں کر رہے ہیں؟

خلوص و وفا کا پیکر:
حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا

جہاں آرا لطفی ☆

حضرت محمد ﷺ کا سن مبارک ۴۰ برس ہے۔ آپ غارِ حرا میں تشریف فرما ہیں کہ اللہ کا مقرب فرشتہ روح الامین اللہ کی مقدس و محترم کتاب قرآن مجید کی ابتدائی وحی کی پانچ آیات لے کر بارگاہِ رسالت مآب میں رونق افروز ہوتا ہے۔ یہ پُرنور و جلیل القدر لمحات جب گزر جاتے ہیں تو اللہ کا آخری پیغام لے کر اللہ کا آخری نبی (ﷺ) حیران پریشان، شاداں و فرحاں، عظیم تر ذمہ داری کا اعزاز لے کر اپنے مسکن مبارک پر تشریف لاتا ہے، اور اُن پُرشکوہ لمحات کا ذکر فکرِ دوجہاں کے ساتھ اپنی سعادت مند و عقل شعور سے آراستہ زوجہ محترمہ سے کرتا ہے۔ ساتھ ہی زَمِّلُوْنِیْ، زَمِّلُوْنِیْ کہتے ہوئے رداءِ مبارک کی طلب بھی ہوتی ہے۔ یہ ہیں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا فوراً پکار اٹھتی ہیں: اَشْھَدُ اَنَّکَ لَرَسُوْلُ اللّٰہ (بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں) اور یہ گواہی اس عظیم خاتون کو خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ پر ایمان لانے والوں میں پہلے درجے پر فائز کر دیتی ہے۔ اللہ جسے چاہے نواز دے، رتبہ عطا فرما دے۔ سو یہ رتبہ رہتی دنیا تک اسلام لانے والوں میں اول ہی رہے گا جو ایک عورت کا ہے۔ یہ خاتون کوئی معمولی خاتون نہیں، کوئی عام عورت نہیں، بلکہ مکہ مکرمہ کے عزت و شرف رکھنے والے خانوادے سے تعلق رکھنے والی وہ عظیم خاتون ہیں جنہیں مکہ کے رہنے والے ان کی عفت و پاکیزگی کی بنیاد پر ''طاہرہ'' کے لقب سے پکارتے تھے اور یہ خاتون اس عظیم اور مکمل شخصیت کے حصے میں بطور زوجہ آئیں جنہیں مکہ والے امین و صادق کے نام سے پکارتے تھے۔

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شیخ زاید اسلامک سینٹر، پنجاب یونیورسٹی

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ایک ذہین، دانش مند اور تجربہ کار خاتون تھیں۔ انہوں نے اپنے محبوب شوہر کو تسلّی و تشفّی دیتے ہوئے فرمایا کہ آپ میں بہت عمدہ خصائل ہیں جو یقیناً اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں میں ہی ہوا کرتے ہیں۔ اس لیے بالکل نہ گھبرائیں اور تسلی رکھیں، اللہ آپ کے ساتھ برا معاملہ کیونکر کرے گا۔ آپ کو نبوت کے عطا ہونے کا یقین تو غارِ حرا میں حضرت جبرائیل امین علیہ السلام کے ذریعے ہو چکا تھا مگر خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے ایک اہم کام کیا۔ وہ یہ کہ آپ کو اپنے چچازاد بھائی حضرت ورقہ بن نوفل کے پاس لے کر پہنچیں۔ ورقہ تورات و انجیل کے عالم اور تجربہ کار و جہاندیدہ شخص تھے۔ آپ ﷺ کا تمام حال احوال سن کر بے حد مسرت سے کہا: ''اے محمد! گھبراؤ نہیں، تمہیں نبوت مبارک ہو۔ بے شک تمہارے پاس وہی فرشتہ آیا ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے پاس آتا رہا تھا''۔ ورقہ بن نوفل کی تسلی آپ ﷺ کی دلی تشفّی اور حوصلے کا باعث بنی۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ آپ ﷺ کا نکاح بھی اہل مکہ کے لیے حیرت کا باعث ہوا، کیونکہ اس نکاح کے وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۴۰ سال اور آپ ﷺ کی عمر مبارک ۲۵ سال تھی۔ نکاح کا پیغام حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی جانب سے تھا اور اس کا پس منظر بھی انتہائی خوشگوار حیرت اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عربوں کے دستور کے مطابق اپنا مالِ تجارت آپ ﷺ کے حوالے کیا اور ایک نیک صفت عیسائی غلام میسرہ آپ کے ساتھ کر دیا تاکہ دورانِ سفر آپ کی مدد کرتا رہے۔ یہ عام الفیل کے ۲۵ ویں برس کا واقعہ ہے۔ جب آپ ﷺ سفر سے تشریف لائے تو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو جو منافع ادا فرمایا وہ اس منافع سے کہیں زیادہ تھا جو دوسرے لوگ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو دیا کرتے تھے۔ دوسری بات یہ کہ اس غلام نے دورانِ سفر آپ ﷺ کے اخلاق و عادات کا گہرائی سے مشاہدہ کیا اور آپ کے اخلاقِ حسنہ، اخلاصِ نیت اور دیانت دارانہ معاملات کا بخوبی جائزہ لیا۔ چنانچہ واپس آ کر اس نے اپنی مالکن کے گوش گزار وہ تمام معاملات کر دیے جن کا مشاہدہ اسے دورانِ سفر ہوا۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اس وقت یکے بعد دیگرے دو شوہروں کی وفات کے بعد بیوگی کی زندگی گزار رہی تھیں، مگر ان کے لیے، اس کے باوجود کہ وہ بیوہ تھیں، مکہ کے متعدد متمول اور صاحب ثروت و حیثیت افراد نکاح کی خواہش رکھتے تھے۔ لیکن وہ کسی کی پیشکش کا جواب دینے کی بجائے محمد ﷺ جیسے اوصاف حمیدہ کے مالک، مخلص، باوقار، مہذب و پاک باز شخص کے لیے فیصلہ کر چکی تھیں۔

سیدہ خدیجہ ؓ نے شادی کا پیغام دینے کے لیے اپنی خاص سہیلی نفیسہ بنت منبہ کو منتخب کیا۔ حضور پاک ﷺ نے تھوڑی سی گفتگو کے بعد اسے منظور فرما لیا۔ چونکہ سیدہ خدیجہ ؓ کے والد کا انتقال ہو چکا تھا اس لیے ان کی بجائے آپؓ کے چچا عمرو بن اسد آپؓ کے ولی مقرر ہوئے۔ جبکہ حضور اکرم ﷺ کی جانب سے حضرت ابوطالب آپؐ کے محترم چچا اور حضرت حمزہ آپؐ کے دوسرے چچا حضور پاک کو لے کر حضرت خدیجہ ؓ کے مکان پر پہنچے۔ وہاں عمرو بن اسد نے دستور کے مطابق خطبہ نکاح پڑھا اور حضرت خدیجہ ؓ کا نکاح بیس اونٹ حق مہر اور بعض دیگر روایات کے مطابق پانچ سو درہم حق مہر پر حضور ﷺ سے انجام پایا۔ اس طرح اس مبارک لمحے حضور پاک ﷺ کی خوشگوار، پر مسرت اور شاندار ازدواجی زندگی کا آغاز ہوا۔ اس مہربان اور نیک دل خاتون نے اپنا تمام مال و متاع دنیا کے سب سے محترم، معزز و مکرم انسان کے قدموں میں ڈھیر کر دیا اور یوں حضور ﷺ کو بہت سی فکروں سے آزاد کر دیا تاکہ وہ دین کی ترویج و اشاعت پر بھرپور توجہ دے سکیں۔ خود حضور پاک ﷺ نے وفاداری، خلوص، ایثار و قربانی اور محبت کے پیکر کو پچیس برس تک اپنی محبت اور خلوص کا محور بنا کر رکھا، یعنی پندرہ برس نبوت سے قبل اور دس برس نبوت کے بعد۔ نبوت کے بعد کے دس برس سیدہ خدیجہ ؓ نے جس طرح اپنے محبوب شوہر کے ساتھ ایک کٹھن اور سخت دور گزارا، اس کا ایک ایک لمحہ اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ اس نیک طینت اور پاک باز خاتون نے دین اسلام کی سربلندی اور آبیاری کے لیے اپنا تمام مال و متاع آپ ﷺ کے قدموں میں ڈال دیا۔ تاریخ گواہ ہے کہ مکہ کی ظلم و ستم سے بھرپور فضا میں انہوں نے اپنے شوہر کے ساتھ ایک ایسا کٹھن اور پرفتن دور گزارا جو ایک بہادر سے بہادر انسان کے لیے ناممکن ہو، مگر آپؓ کے پائے استقامت میں لرزش تک نہ آئی۔

سیدہ خدیجہ ؓ کی عظمت کا اندازہ اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واحد خاتون ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے ذریعے سلام پہنچایا۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت جبرائیلؑ ایک مرتبہ آپ ﷺ کے پاس تشریف لائے ہوئے تھے کہ انہوں نے آپؐ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! حضرت خدیجہ ؓ ایک برتن میں کھانا لے کر آرہی ہیں، جب آپؐ کے پاس آئیں تو اللہ تعالیٰ اور میری طرف سے انہیں سلام کہہ دیجیے اور جنت میں موتیوں کا محل مل جانے کی خوشخبری دیجیے۔

حضرت محمد ﷺ اپنی رفیقۂ حیات سے بے انتہا محبت کرتے تھے اور بعد تک یہ محبت آپؐ

کے دل میں رچی بسی رہی، حتیٰ کہ ان کی وفات کے بعد بھی حضور انہیں یاد فرماتے رہے۔ ایک مرتبہ سیدہ خدیجہ ؓ کی بہن حضرت ہالہ ؓ حضور کے گھر پر تشریف لائیں تو انہوں نے دروازے پر کھڑے ہو کر اندر آنے کی اجازت طلب فرمائی۔ آواز سن کر آپؐ چونک گئے اور فرمایا کہ ہالہ ہوں گی کیونکہ ان کی آواز خدیجہ ؓ سے بہت ملتی جلتی ہے۔ اُس وقت حضرت عائشہ ؓ وہاں پر موجود تھیں، بولیں: ''کیا ایک بڑھیا کو یاد کرتے ہیں جو مر کھپ گئی اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہتر عورتیں عطا فرمائیں!'' آپ ﷺ غصے سے لرز گئے اور فرمایا: ''ہرگز نہیں، اس سے بہتر نہیں، کیونکہ انہوں نے ایسے وقت میں میری بات کو مانا اور ایمان لائیں جب تمام لوگ مجھے جھٹلاتے تھے اور ایسے مال سے میری مدد کی جب کسی کے مال سے بھی کوئی سہارا نہ تھا، اور اللہ تعالیٰ نے مجھ کو ان سے اولاد عطا فرمائی، جبکہ دیگر بیبیوں کو اولاد سے محروم رکھا۔''

حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں پھر تو میں نے عہد کر لیا کہ حضرت خدیجہ ؓ کو کبھی کسی برائی سے یاد نہیں کروں گی۔ آپؓ کی پچیس سالہ ازدواجی زندگی دس رمضان المبارک ہجرت کے دسویں برس اختتام کو پہنچی اور آپؓ نے دس رمضان کو وفات پائی، اور مکہ مکرمہ میں بمقام حجون مدفون ہوئیں، جسے اہلِ عرب ''جنت المعلیٰ'' کے نام سے یاد کرتے تھے۔

❁ ❁ ❁

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ
کے دو فکر انگیز خطابات پر مشتمل کتابچہ
توبہ کی عظمت اور تاثیر
اور موجودہ حالات میں کرنے کا اصل کام
اشاعتِ خاص: 65 روپے
اشاعتِ عام: 35 روپے

ہجرتِ بے ثمر

(یومِ آزادی کے حوالے سے خصوصی تحریر)

مسز بینا حسین خالدی ☆

ہجرت کے معنی چھوڑ دینا کے ہیں۔ ایک علاقے سے دوسرے علاقے کی طرف اس ارادے یا نیت سے نقل مکانی کرنا کہ دوسرے نئے علاقے میں عارضی طور پر یا مستقلاً رہائش اختیار کی جائے‘ ہجرت کہلاتا ہے۔ ایسی نقل مکانی رضا کارانہ طور پر بھی ہوسکتی ہے یا جبراً بھی کروائی جاتی ہے۔ عالمِ انسانی کی تاریخ کبھی بھی ہجر و مہاجرت سے خالی نہیں رہی ہے۔ کبھی جان بچانے تو کبھی ایمان بچانے کے لیے‘ یا پھر دنیا سے کچھ زیادہ پانے کی جستجو انسان کو ایک مقام سے دوسرے دور دراز مقام کی طرف دھکیلتی رہی ہے۔ کبھی جباروں نے کمزوروں کو طاقت کے زور پر ان کے آبائی علاقوں سے بے دخل کیا‘ کہیں پر ہزاروں لاکھوں انسانوں کو ہانک کر غلام بنا لینے کے لیے انسانی تجارت کی منڈیوں کی طرف لے جایا گیا‘ تو کبھی بہتر معیارِ زندگی کی تلاش میں انسانوں نے از خود ہجرت کر کے غلامی کا طوق پہننا گوارا کیا۔

ہجرت کی تاریخ بہت پرانی ہے‘ شاید سب سے پہلی ہجرت حضرت آدم و حوا علیہما السلام نے ہی کی تھی جب وہ جنت سماوی چھوڑ کر کرۂ ارض کو آباد کرنے کے لیے زمین کی طرف بھیجے گئے تھے۔ پھر جب انسانوں کو رشد و ہدایت دینے کے لیے انبیاء کرام علیہم السلام کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا تو سوائے چند ایک کے تقریباً تمام ہی انبیاء نے ہجرت کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے حضرت بی بی ہاجرہؑ اور شیر خوار حضرت اسماعیلؑ کو ہمراہ لے کر مکہ کی بے آب و گیاہ وادی کی طرف ہجرت کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اپنی قوم بنی اسرائیل کے ہمراہ مصر سے ہجرت تمام انبیاء کی ہجرتوں میں اس اعتبار سے فقید المثال ٹھہری کہ لاکھوں کی تعداد میں اُس وقت کے اہل ایمان

☆ ایڈووکیٹ‘ صادق آباد

نے فرعون کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معیت میں ہجرت کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت اس لحاظ سے عظیم ہجرت ٹھہری کہ اس کے نتیجے میں کرۂ ارض پر جو برکتیں اور رحمتیں زمین پر نازل ہوئیں‘ اہلِ ایمان و اسلام آج تک ان سے فیض پا رہے ہیں۔ کعبۃ اللہ کی تعمیر اور آبِ زم زم کا چشمہ اس عظیم ہجرت کے عظیم ثمرات ہیں۔

زمانہ قبل مسیح کی تاریخ بھی مختلف قوموں کی مہاجرت کا پتہ دیتی ہے۔ ۴۷۶ق م میں بربر قبیلوں نے رومن سلطنت کو کمزور کرنے کے لیے اس پر بار بار حملے کیے اور انہیں ہجرت پر مجبور کیا۔ ۱۵ویں سے ۱۹ویں صدی کے دوران مغربی افریقہ سے امریکہ کی طرف‘ ہزاروں کی تعداد میں افریقیوں کو امریکی تاجروں نے جبراً غلام بنا کر ہانک دیا اور انسانی تجارت کی منڈیوں میں بیچ ڈالا۔ غلاموں کی یہ تجارت انسانی تاریخ کی بڑی ہجرتوں میں شمار ہوتی ہے۔ ۱۶۲۰ء تا ۱۶۴۰ء کے دوران انگلینڈ میں پیوریٹان نامی قوم نے اپنے بادشاہوں جیمز اوّل اور چارلس اوّل کے خوف سے ہجرت کی‘ جو انہیں ان کے مذہبی عقیدے سے منحرف کرنا چاہتے تھے۔ ۱۸۴۹ء سے ۱۸۵۵ء کے دوران تین لاکھ امریکی‘ یورپی‘ آسٹریلوی‘ ایشیائی اور لاطینی باشندوں نے سونے کی تلاش میں کیلی فورنیا کی طرف ہجرت کی جب جیمز ڈبلیو مارشل نے وہاں سونا دریافت کیا۔ ۱۹۱۰ء سے ۱۹۷۰ء کے دوران افریقی امریکیوں نے چھ لاکھ کی تعداد میں شمالی افریقہ سے جنوبی افریقہ کی طرف ہجرت کی اور مختلف ریاستوں میں جا کر آباد ہوئے۔ تاریخ میں ایسی ہجرت کو ”بلیک مائیگریشن“ یعنی کالے لوگوں کی ہجرت کہا جاتا ہے۔ ۱۹۲۰ء سے ۱۹۵۱ء کے دوران بھی چھ لاکھ لوگوں کو سوویت یونین سے ہجرت پر مجبور کیا گیا۔ اس ہجرت کے دوران ایک لاکھ لوگ مارے گئے۔ اس ہجرت کا مقصد بھی عقائد و نظریات اور انسانی غلاموں کی تجارت تھا۔

بیسویں صدی کے آغاز میں میکسیکو کی ایک بڑی آبادی نے ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی طرف ہجرت کی۔ ۲۰۱۳ء تک ان مہاجروں کی تعداد گیارہ لاکھ سے زیادہ بتائی جاتی ہے۔ ۲۰۱۵ء سے اب تک دو لاکھ سے زائد شامی مہاجرین اپنے ملک سے جان بچانے کے لیے یورپ کے مختلف ممالک اور ترکی میں پناہ گزین ہوئے۔ اسی طرح برما سے لاکھوں مسلمانوں کو شہریت سے محروم کیا گیا اور انہیں ہجرت پر مجبور کرنے کے لیے ہزاروں برمی مسلمانوں کا قتل

عام کیا گیا۔ آج لاکھوں کی تعداد میں برمی مسلمان ہجرت کر کے بنگلہ دیش کے بارڈر پر ذلت و کسمپرسی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ حال ہی میں بھارت کی ریاست آسام میں چالیس لاکھ مسلمانوں کو شہریت سے محروم کر دیا گیا ہے۔ برما کی طرح وہاں بھی مسلمانوں کے لیے اس بات کا شدید خطرہ ہے کہ انہیں بھی جبراً ہجرت پر مجبور کیا جائے گا اور اس مقصد کے لیے بھارتی حکومت طاقت کا استعمال بھی کر سکتی ہے۔

دین اسلام کا فلسفہ ہجرت

دین اسلام کی تعلیمات کے مطابق اللہ اور اس کے دین کی خاطر ہجرت کرنے کے عمل کو اعلیٰ مقام حاصل ہے۔ آنحضرت ﷺ نے جب اپنے ساتھیوں کے ساتھ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی تو اس ہجرت کا مقصود غلبہ دین کی جدوجُہد کے ساتھ ساتھ ایمان و عقیدے کی حفاظت بھی تھا۔ مدینہ منورہ میں قائم کی گئی اسلامی فلاحی ریاست کو دارالاسلام قرار دیا گیا تو مکہ میں پیچھے رہ جانے والے مسلمانوں کو بھی حکم دیا گیا کہ وہ دارالکفر کو چھوڑ کر دارالاسلام میں آ جائیں‘ جیسا کہ سورۃ النساء میں حکم باری تعالیٰ ہوا:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِیْمَ كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا
مُسْتَضْعَفِیْنَ فِی الْاَرْضِ ؕ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا
فِیْهَا ؕ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا ﴿۹۷﴾ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ
الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ حِیْلَةً وَّلَا یَهْتَدُوْنَ سَبِیْلًا ﴿۹۸﴾
فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّعْفُوَ عَنْهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۹۹﴾ وَمَنْ یُّهَاجِرْ
فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یَجِدْ فِی الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِیْرًا وَّسَعَةً ؕ وَمَنْ یَّخْرُجْ مِنْۢ بَیْتِهٖ
مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ یُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَانَ
اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۱۰۰﴾﴾

’’جو لوگ اپنے نفس پر ظلم کر رہے تھے (یعنی جو نیم مسلمانہ اور نیم کافرانہ زندگی گزارنے پر راضی ہو رہے تھے) ان کی روحیں جب فرشتوں نے قبض کیں تو ان سے پوچھا کہ یہ تم کس حال میں مبتلا تھے؟ (یعنی ایک دارالاسلام کے بن جانے کے بعد جبکہ ان کے لیے پوری اسلامی زندگی بسر کرنا ممکن ہو چکا تھا تو وہ دنیاوی مفادات کی محبت میں ہجرت سے

باز کیوں رہے؟) انہوں نے جواب دیا کہ ہم زمین میں کمزور و مجبور تھے۔ فرشتوں نے کہا: کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ جہنم ہے‘ اور وہ بڑا ہی برا ٹھکانہ ہے۔ ہاں جو مرد‘ عورتیں اور بچے واقعی بے بس ہیں اور نکلنے کا کوئی راستہ اور ذریعہ نہیں پاتے‘ بعید نہیں کہ اللہ انہیں معاف کر دے۔ اللہ بڑا معاف کرنے والا‘ درگزر فرمانے والا ہے۔ جو کوئی اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا وہ زمین میں پناہ لینے کے لیے بہت جگہ اور بسر اوقات کے لیے بڑی گنجائش پائے گا۔ اور جو اپنے گھر سے اللہ اور رسولؐ کی طرف ہجرت کے لیے نکلے‘ پھر راستے ہی میں اسے موت آ جائے تو اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے۔ اللہ بہت بخشش فرمانے والا اور رحیم ہے۔‘‘

قرآن حکیم رہتی دنیا تک کے لیے راہِ ہدایت ہے۔ آیات متذکرہ بالا صرف مکی و مدنی دور کے مسلمانوں ہی سے خطاب نہیں کرتیں بلکہ موجودہ اور آنے والے ہر دور کے مسلمانوں سے مخاطب ہیں۔ ذاتی زندگیوں میں غلبہ دین کی جس سعی وعمل کی ضرورت ہے اس کے لیے بھی ایک خارجی ماحول درکار ہوتا ہے جو ایک مسلمان کو دارالاسلام ہی میں مل سکتا ہے۔ اس لیے اپنے تمام مفادات کو قربان کر کے دارالکفر سے دارالاسلام کی طرف ہجرت کرنا ہی مؤمن کی شان بتائی گئی ہے‘ اور پھر ایسی ہجرت کے صلے میں اللہ تعالیٰ زمین میں کشائش رزق اور نعمتوں کے عطا فرمانے کی خوشخبری بھی سناتا ہے۔ پہلے گزری ہوئی قوموں پر اللہ تعالیٰ نے مہاجرت کے ثمرات کے طور پر کبھی من و سلویٰ نازل فرمایا تو کبھی حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ایڑیاں رگڑنے سے آبِ زم زم جیسا نایاب تحفہ عطا فرمایا جس کا فیض آج تک جاری ہے۔

دین اسلام میں مہاجرت کی منزل خلافت ارضی ہے۔ ابتدائے آفرینش ہی سے اللہ تعالیٰ نے ﴿اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً﴾ فرما کر حضرتِ انسان پر نیابت کی ذمہ داری ڈال دی تھی۔ لہٰذا ع ’’ہے اس کا نشیمن نہ بخارا نہ بدخشان!‘‘ کے مصداق اللہ عزوجل کی زمین پر اللہ کا نظام قائم کرنے کا حکم باری تعالیٰ یہ ظاہر کرتا ہے کہ دین اسلام میں وطنیت‘ قومیت‘ نسل پرستی یا ایک مخصوص علاقے میں رہ کر محدود اسلامی زندگی گزارنے کا کوئی تصور موجود نہیں ہے‘ ماسوائے اس کے کہ جماعۃ المسلمین اپنے اندر ایسی کوئی طاقت نہ پاتی ہو جس کے ذریعے تمام کرۂ ارض پر اللہ کے قانون کی حکمرانی کو قائم کر سکے۔ تاہم کمزوری کو طاقت سے بدل دینے کے لیے اتحاد بین المسلمین اور تمام دنیا کے مسلمانوں کا ایک ’’جسد واحد‘‘ کی مانند جڑنا بین

الاقوامی اسلامی زندگی کی روح قرار دیا گیا ہے۔ دین اسلام کی اس آفاقیت کو علامہ اقبال نے اپنے اشعار میں یوں بیان فرمایا ہے۔

ہو قیدِ مقامی تو نتیجہ ہے تباہی
رہ بحر میں آزادِ وطن صورتِ ماہی
ہے ترکِ وطن سُنّتِ محبوبِ الٰہی
دے تو بھی نبوت کی صداقت پہ گواہی
گفتارِ سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے
ارشادِ نبوت میں وطن اور ہی کچھ ہے
اقوامِ جہاں میں ہے رقابت تو اسی سے
تسخیر ہے مقصودِ تجارت تو اسی سے
خالی ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے
کمزور کا گھر ہوتا ہے غارت تو اسی سے
اقوام میں مخلوقِ خدا بٹتی ہے اس سے
قومیتِ اسلام کی جڑ کٹتی ہے اس سے!

۱۹۴۷ء میں چالیس لاکھ افراد کی انڈیا سے پاکستان اور پاکستان سے انڈیا کی طرف ہجرت‘ تاریخِ انسانی کی سب سے بڑی ہجرت تھی۔ مسلمانانِ برصغیر نے تحریک آزادی اس بنیاد پر چلائی تھی کہ ’’پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ‘‘۔ یہ بھی ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ پاکستان کا قیام اللہ تعالیٰ کی خصوصی تائیدِ غیبی کا مظہر تھا اور پاکستان کے دستور کے مطابق حاکم اعلیٰ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو قرار دیا گیا ہے۔ اگر لاکھوں لوگوں کی ہجرت اللہ اور اس کے دین کے غلبے کے لیے تھی تو پھر اس ہجرت کے وہ ثمرات کیوں نہ ظاہر ہو سکے جو مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرتے ہوئے آنحضرت محمدؐ رسول اللہ ﷺ اور ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حاصل ہوئے؟ اگر اس ملک کا قیام تائیدِ غیبی کا مظہر تھا تو پھر کیا وجہ ہے کہ آج قیامِ پاکستان کے ۷۱ سال بعد بھی ملکی معیشت کی بنیاد سود پر ہے؟ (جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف جنگ ہے۔) قرآن پاک میں اللہ ربّ العزت نے اسلامی معاشرتی نظام کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے اور اسے کھول کر بیان کیا ہے‘ لیکن بدقسمتی سے معاشرتی اور سماجی حوالے سے ہماری پستی

انتہا کو پہنچ چکی ہے۔ عریانی اور بے حیائی کا دور دورہ ہے۔ عورت کا پردہ اور مرد و زن کا نیچی نگاہ رکھنا جس کا قرآن پاک واضح حکم دیتا ہے‘ پس ماندگی اور جہالت سمجھا جانے لگا ہے۔ ہم نے اس نیم کافرانہ اور نیم مسلمانہ زندگی سے بالکل اسی طرح سمجھوتہ کر لیا ہوا ہے جیسے ہجرتِ مدینہ کے بعد مکہ میں پیچھے رہ جانے والے مسلمانوں نے اپنی قیمتی املاک اور قرابت داریوں کو اللہ کے حکمِ ہجرت پر مقدم جانا تھا۔

دوسری طرف عالمی سطح پر بھی اسلامی برادری کے ملکوں کو کوئی مرکزیت حاصل نہیں ہے۔ دیکھا جائے تو دنیا کے نقشے پر ۵۷ اسلامی ممالک کی موجودگی کے باوجود کوئی ایسا دارالاسلام نہیں ہے جہاں اہل ایمان دارالکفر میں بسنے والے مسلمانوں کو اپنے ملک میں پناہ دینے اور انہیں مکمل اسلامی زندگی گزارنے کی دعوت دینے والے ہوں۔ برما‘ بھارت اور اسی طرح کے دیگر دارالکفر اس وقت مسلمانوں کے لیے ’’دارالقتل‘‘ بن چکے ہیں۔ ایسے حالات میں دین اسلام کی آفاقیت اور مسلمانوں کا جسدِ واحد ہونا ایک خواب بن کر رہ گیا ہے اور یہی مسلمانوں کے زوال و تذلیل کی اصل وجہ ہے۔ آج طاغوتی طاقتوں کو اہل یہود و ہنود کے سائے میں مرکزیت حاصل ہے۔ یہودیوں کے چند ماسٹر مائنڈ پوری دنیا کی معیشت‘ تجارت‘ صنعت‘ سیاست‘ معاشرت‘ ثقافت یہاں تک کہ ذاتی زندگیوں میں فیملی لائف سسٹم کو بھی کنٹرول کرتے ہیں اور قانون ساز اداروں کے ذریعے ایسی قانون سازی کرواتے ہیں کہ فیملی لائف سسٹم‘ نکاح‘ جوائنٹ فیملی‘ حلال و حرام کی تمام اقدار و روایات کو ختم کر دیا جائے۔

ہم بحیثیتِ مسلمان اور بحیثیتِ پاکستانی مطمئن اور قانع ہیں کہ ہم ایک اسلامی جمہوری ریاست میں آزادی کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں‘ مسجدیں اور مدرسے آباد ہیں‘ حج اور زکوٰۃ کا نظام جاری ہے۔ مذہبی تہوار منانے کی ہمیں آزادی حاصل ہے۔ گویا دین اسلام کا آفاقی نظام آیا ہی اس لیے تھا کہ اس کو ایک محدود دائرے میں سکڑ سمٹ کر چلنے دیا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ ہر اُس گمراہی کے لیے اپنے دروازے کھلے رکھے جائیں جو جدیدیت‘ سرمایہ دارانہ نظام‘ لبرل ازم اور انسانی حقوق کے نام پر طاغوتی طاقتیں ہماری طرف بھیجتی رہیں۔ اپنی ذاتی زندگیوں سے لے کر عالمی سطح تک ہم ایسی پستی اور زبوں حالی کا شکار ہیں جسے ’’ایٹمی پاور‘‘ بھی تبدیل نہیں کر سکتی۔

ہم نے چلت پھرت کا نام آزادی رکھ لیا ہے جب کہ یہ تو محض وہ چلت پھرت ہے جس کے بارے میں قرآن حکیم میں ذاتِ باری تعالیٰ متنبہ فرماتا ہے: ﴿لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ﴿١٩٦﴾﴾ (آل عمران) ''ان کافروں کی شہروں کے اندر چلت پھرت آپ کو دھوکے میں نہ ڈالے''۔ ہم ہیں کہ ہم نے اسی دھوکے کو رنگین وخوشنما بنانے کے لیے کچھ تہوار ملی جوش وجذبے کے ساتھ منانے کے پروگرام بھی ترتیب دے رکھے ہیں ۔ ایک طرف شام' مصر' فلسطین' برما اور اس جیسے دیگر اسلامی ممالک میں ہمارے مسلمان بہن بھائی حتیٰ کہ بچے بھی عقوبت خانوں میں قید ہیں اور ہمیں مدد کے لیے پکار رہے ہیں اور دوسری طرف ہم ملی نغموں اور قوموں ترانوں کی بے ہنگم موسیقی اور اچھل کود کو وطن پرستی کا نام دے کر محبِّ وطن ہونے پر فخر کرتے ہیں' جبکہ ''نیل کے ساحل سے لے کر تا بہ خاکِ کاشغر'' ہمارا وجود ہی مٹایا جا رہا ہے۔

آج کون ہے جو بہ بانگ دہل علامہ اقبال کے اس پیغام کو دہرا سکے اور واشگاف الفاظ میں کہہ سکے کہ: ؎

چین و عرب ہمارا' ہندوستاں ہمارا
مسلم ہیں ہم' وطن ہے سارا جہاں ہمارا
توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے
آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا
مغرب کی وادیوں میں گونجی اذاں ہماری
تھمتا نہ تھا کسی سے سیلِ رواں ہمارا
باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم
سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا
سالارِ کارواں ہے میرِ حجازؐ اپنا
اس نام سے ہے باقی آرامِ جاں ہمارا!

❁❁❁

میثاق' حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے انٹرنیٹ ایڈیشن
تنظیم اسلامی کی ویب سائٹ www.tanzeem.org پر ملاحظہ کیجیے۔

مسلمانوں کا تابناک ماضی اور نئی نسل کی تاریخ فراموشی

اسباب اور علاج

محمد عبداللہ بن شمیم ندوی☆

تاریخ شاہد ہے کہ جس قوم نے بھی اپنے ماضی سے رشتہ توڑا اور اپنی تاریخ کو فراموش کر دیا وہ زوال پذیر ہوئی ہے اور اس کو دوسری قوموں کی غلامی نصیب ہوئی ہے۔ بلاشبہ جو قومیں اپنے دشوار ترین دور اور جاں گسل حالات میں بھی اپنے ماضی کی ڈور تھامے رکھتی ہیں‘ اپنی قدروں کو زندہ رکھنے کی سعی کرتی ہیں اور تاریخ کے دامن کو تھام کر اپنے اسلاف کی جلائی ہوئی شمع کی روشنی میں سفرِ حیات طے کرتی ہیں‘ وہ بامِ عروج کو پہنچتی ہیں اور دنیا کی قیادت کرتی ہیں۔ تاریخ کو یاد رکھنے کا مطلب یہ قطعی نہیں کہ اسلاف کے کارناموں کی یاد میں ’’پدرم سلطان بود‘‘ کے کھوکھلے نعرے لگائے جائیں‘ بلکہ اس کا مقصد اپنے بڑوں کی تعلیمات اور ان کی ہدایات پر عمل پیرا ہو کر ان کے بتائے اہداف کے حصول کے لیے مسلسل کوششیں کرنا ہے۔

ہمارے سامنے ایک ایسی قوم کی مثال موجود ہے جس نے عروج و زوال کے دونوں دور دیکھے۔ اس نے وہ دور بھی دیکھا جب دنیا میں اس کا عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا اور وہ دن بھی دیکھے جب اسے دنیا کی حکمرانی نصیب ہوئی۔ اسے اپنے ماضی کو فراموش کرنے کی سزا بھی ملی اور اپنی تاریخ کو گلے لگانے کا صلہ بھی ملا۔ یہود حضرت یوسف علیہ السلام کے دور میں مقامِ عروج کو پہنچے اور ایک مدت تک سیادت ان کے ہاتھ میں رہی‘ لیکن پھر اپنے انبیاء کی تعلیمات کو فراموش

☆اسکالر ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی‘ علی گڑھ abdullahshamim422@gmail.com

کرنے کی وجہ سے لمبے عرصے تک انہیں مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد انہیں قیادت نصیب ہوئی اور ایک مدت تک دنیا کی امامت کرتے رہے۔ حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کا دور اُن کا کامیاب ترین دور رہا۔ لیکن پھر انہوں نے وہی غلطی دہرائی جو اس سے پہلے کی تھی تو دنیا کی ذلیل ترین قوم بنا دیے گئے۔

تاہم اب انہیں اپنے مرض کا ادراک ہو چکا تھا اور انہوں نے وہی کیا جو ایسے وقت میں قوموں کو کرنا چاہیے۔ انہوں نے اپنی مزعومہ تاریخ کو ایک بوسیدہ تابوت سے نکالا اور پھر پوری قوم کو ماضی میں لوٹ جانے کی دعوت دی تو قوم کا ہر ہر فرد اپنی ارضِ موعودہ کی بازیابی کے لیے کوشاں ہو گیا۔ انہوں نے کہا کہ ہمارا مقصد دنیا پر حکمرانی ہے اور ہمیں اسی کے لیے پیدا کیا گیا ہے‘ اور آج وہ دنیا کے تمام نظاموں پر اپنا تسلط جمانے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ آج اگرچہ مسلم ممالک کی تعداد ۵۶ ہے‘ لیکن ان میں سے اکثر کی باگ ڈور یہود اور ان کے کارندوں کے ہاتھ میں ہے۔ آج یہود کا پنجہ جو ساری دنیا کی معیشت‘ سیاست‘ نظامِ تعلیم اور ذرائع ابلاغ کو جکڑے ہوئے ہے‘ اس کا سبب یہی ہے کہ انہوں نے اپنی اس تاریخ تک کا تحفظ کیا جس کا بیشتر حصہ تحریف شدہ ہے۔ انہوں نے اپنے مقصد کو ہمیشہ سامنے رکھا اور اس کے حصول کے لیے سالہا سال قربانیاں دیں۔ یہود کی تاریخ کے جہاں بہت سے مذموم پہلو ہیں‘ وہاں ایک سبق آموز پہلو یہ بھی ہے کہ انہوں نے اپنے عروج و زوال سے سبق حاصل کیا۔

تاریخِ اسلام: دنیا کی بلند ترین تاریخ

مسلمانوں کے لیے یہ طُرّۂ امتیاز ہے کہ ان کی تاریخ دنیا کی کسی بھی قوم کی تاریخ سے زیادہ روشن اور تابناک ہے۔ حضرت محمدؐ رسول اللہ ﷺ سے لے کر سقوطِ سلطنتِ عثمانیہ تک متعدد دفعہ عروج و زوال کے باوجود تاریخ اسلامی بے پناہ فتوحات‘ ایجادات‘ تعلیم وتعلّم‘ مثالی تہذیب وتمدن اور اعلیٰ اخلاقی قدروں میں اپنا ثانی نہیں رکھتی۔ اس نے انسانیت نوازی‘ امن و امان‘ عدل وانصاف اور خدمتِ خلق کی وہ داستانیں رقم کی ہیں جو تاقیامت فراموش نہیں کی جاسکتیں۔ یہاں تک کہ اسلام کے سخت ترین نکتہ چیں بھی اس کا اعتراف کرنے پر مجبور ہیں۔

دنیائے انسانی پر مسلمانوں کے تاریخی احسانات

مسلمانوں نے دنیا کو کیا نہیں دیا؟ وہ سب کچھ دیا جس کی وجہ سے جاں بلب انسانیت کو

نئی زندگی ملی اور اس تاریک دنیا کو پھر سے روشن کر دیا۔ انہیں کمزوروں کا حمایتی اور ’’اُنْصُرْ اَخَاکَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا‘‘ کا مصداق بنا کر بھیجا گیا تھا۔ ان کی تاریخ قیامِ عدل سے عبارت تھی۔ یہ وہی تھے جنہوں نے قیصر وکسریٰ کی ظالم حکومتوں کا خاتمہ کیا اور ان کے مظلوم عوام کو ان کے شیطانی پنجوں سے آزاد کیا۔ انہوں نے انسانوں کی تربیت کی اور انہیں انسانیت نوازی سکھائی۔ عرب کے جنگجو قبائل جو بات بات پر خون کی ندیاں بہا دیتے اور نسل در نسل نفرت کی یہ آگ شعلہ زن رہتی‘ انہیں باہم شیر وشکر کیا۔ لوٹ مار‘ قتل وغارت گری‘ شراب وجوا جن کا شیوہ تھا‘ جو لڑکیوں کو عار کے باعث زندہ درگور کر دیا کرتے تھے‘ انہیں ایسی تعلیم سے آراستہ کیا کہ دنیائے اخلاق کے امام بن گئے۔

قیامِ عدل ومساوات

مسلمانوں کے چشمۂ فیض نے پوری دنیا کو سیراب کیا۔ چنانچہ ہندوستان جہاں طبقاتی نظام قائم تھا‘ برہمنوں نے شودروں کو اپنا غلام بنا رکھا تھا اور غلامی کی یہ زنجیریں انہیں پیدائشی طور پر پہنا دی جاتی تھیں‘ یہاں تک کہ ان کی سانسیں بھی برہمنوں کی غلام ہوا کرتی تھیں‘ دنیا کے بد ترین مظالم ان پر ڈھائے جاتے تھے اور جانوروں سے زیادہ بد تر سلوک کیا جاتا تھا‘ اگر وہ علم حاصل کرنا چاہتے تو ان کی زبانیں کھنچوا لی جاتیں‘ اگر وہ گیتا کے اشلوک سن لیتے تو ان کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ اُنڈیل دیا جاتا‘ برہمنوں کے برابر بیٹھ جاتے تو ان کی سرینیں کٹوا دی جاتیں‘ انہیں اس عذاب سے نجات دلانے والے مسیحا مسلمان تھے۔ یہی ہندوستان تھا جہاں خواتین کے حقوق کی دھجیاں اڑائی جاتیں اور انہیں مشقِ ستم بنایا جاتا‘ ان سے غیر اخلاقی حرکتیں کرائی جاتیں‘ غیر مَردوں کے ساتھ جبراً ناجائز تعلقات قائم کروائے جاتے‘ پجاریوں کے پاس بھیج کر حمل ٹھہروایا جاتا اور شوہر کی موت کے بعد اس کی چِتا کے ساتھ زندہ جلا دیا جاتا‘ جسے ’’ستی‘‘ کا عمل کہا جاتا تھا۔ مسلمان ہی تھے جنہوں نے اس شیطانی نظام کا خاتمہ کیا اور یہاں نظامِ الٰہی قائم کیا۔ مسلمانوں نے ہی طبقاتی اونچ نیچ کو ختم کر کے نظامِ مساوات قائم کیا اور خواتین پر ہونے والے ظلموں کو روکا اور انہیں ان کے حقوق دلائے۔ مسلمانوں نے اس ملک میں تعلیمی نظام کو وسعت دی‘ ملک میں عدل وانصاف قائم کیا اور ہر جگہ امن وامان کی فضا ہموار کر کے ایک عظیم ہندوستان کی بنیاد رکھی۔ انہوں نے ہندوستان کو علوم وفنون کا گہوارہ بنایا‘

معاشی طور پر مستحکم کیا اور عالمی تجارت کا مرکز بنا دیا۔ ہندوستانیوں کو ایسا تمدن دیا جو دنیا کے لیے باعثِ رشک بن گیا۔

احیاءِ علم اور نفع رسانی

اسلام اور علم لازم وملزوم ہیں۔ کوئی بھی مسلمان جو حقیقی معنیٰ میں اسلام پر عمل پیرا ہو وہ علم سے دور نہیں ہو سکتا‘ بلکہ وہ جہاں بھی رہے گا ایک معلم کی حیثیت سے علم کی شمع روشن کرے گا۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان جہاں بھی رہے وہاں انہوں نے علم کے باغات لگائے اور اپنے چشمۂ علم سے پورے علاقے کو سیراب کیا۔ مسلمان جو خلافت عباسیہ کے اختتام تک ساری دنیا میں علوم وفنون کے امام بن چکے تھے‘ جہاں بھی گئے علم کے خزانے ساتھ لے گئے۔ مسلمان جب اندلس گئے تو وہاں علوم وفنون کی ندیاں بہا دیں اور علم کی سینکڑوں درسگاہیں قائم کیں۔

مسلمانوں نے اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر اور اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر دنیا کو ایسی ایجادات سے نوازا جس نے دنیا کو ترقی کے عروجِ کمال پر پہنچا دیا۔ مسلم سائنسدانوں نے اپنے علم کے ذریعے انسانیت کی عظیم خدمات انجام دیں۔ اسلامی ممالک میں یہ انقلابات اس وقت ہو رہے تھے جس وقت یورپ جہالت کے اندھیروں میں بھٹک رہا تھا اور وہاں کے کلیسا نے علم کو شجرِ ممنوعہ قرار دے رکھا تھا۔ جہالت کا یہ عالم تھا کہ وہاں پاؤں کا آپریشن کلہاڑی کے ذریعے کیا جاتا تھا۔ پورے یورپ میں ایک علمی کتاب تھی جو ایک عیسائی بادشاہ نے مسلمانوں سے مستعار لی تھی۔ اس تاریکی میں علم کی شمع جلانے والے مسلمان تھے۔ انہوں نے مغرب کو جہالت کی موت مرنے سے بچایا اور اسے انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا۔ اپنے علوم وفنون سے اسے سنوارا اور اپنے ایسے شاگرد تیار کیے جنہوں نے وہاں علمی انقلابات برپا کیے۔ آج مغرب کی تمام ترقیات کا سہرا مسلمانوں کے سر ہے۔ یہ اور بات ہے کہ مغربی تہذیب وتمدن کے علمبردار اسلام دشمنی کے باعث احسان فراموشی کی انتہا کو پہنچ گئے ہیں۔

مسلمان جب ہندوستان آئے تو یہاں کی قوم اپنی تاریخ سے نابلد تھی۔ انہوں نے اسے علم تاریخ کا حسین تحفہ دیا۔ البیرونی نے ’’کتاب الہند‘‘ لکھی‘ جس کے ذریعے ہندوستان کے تہذیب وتمدن کو پوری دنیا میں متعارف کرایا۔ مسلمانوں نے یہاں فنِ طب میں اصلاحات کیں اور اس کی تجدید کر کے دنیا کی بہترین طب کی بنیاد رکھی۔ مسلمانوں کی علم دوستی کا یہ عالم تھا

کہ ہندی علوم وفنون جن سے دنیا ناواقف تھی‘ ان کو عربی و فارسی میں منتقل کر کے دنیا کو ان سے واقف کرایا۔ یہاں کی مذہبی کتابوں‘ جیسے وید‘ گیتا‘ رامائن‘ مہابھارت وغیرہ‘ کو فارسی میں منتقل کیا گیا اور افادۂ عام کے لیے وقف کر دیا گیا۔ جگہ جگہ عوامی کتب خانے بنائے گئے جہاں ہر ہندوستانی آزادانہ طور پر اپنی علمی پیاس بجھا سکتا تھا۔

دنیا سے ظلم وستم کا خاتمہ

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ قوموں کی بقا کے لیے جنگ ناگزیر چیز ہے اور کبھی قیامِ عدل کے لیے ہتھیار اٹھانا بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ بلاشبہ مسلمانوں نے بھی جنگیں لڑیں اور دنیا کے بڑے رقبے میں فتوحات کے پرچم بلند کیے‘ لیکن ان کی جنگوں کا مقصد یا تو دفاع ہوتا تھا یا وہ ظلم وستم کے خاتمے اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے لڑی جاتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے اپنے مفتوحہ علاقوں کے عوام کے ساتھ ہمیشہ حسن سلوک کا برتاؤ کیا۔ ہم دوسری قوموں کی تاریخ دیکھتے ہیں کہ کس طرح انہوں نے اپنے مفتوحہ علاقوں میں لوٹ مار کا بازار گرم کیا‘ بوڑھوں‘ عورتوں اور بچوں کے خون سے ہولی کھیلی اور بڑے بڑے شہروں کو کھنڈرات میں تبدیل کر کے فصلوں کو خاکستر کر دیا۔ لیکن مسلمانوں نے انسانیت نوازی کی تاریخ رقم کی اور حالت جنگ میں بھی اپنے حریف کی عورتوں‘ بوڑھوں اور بچوں کے تحفظ کو یقینی بنایا‘ اور اپنے مفتوحہ علاقوں میں وہ امن وامان اور عدل وانصاف قائم کیا کہ وہاں کے باشندے مسلمانوں کو اپنا مسیحا سمجھنے لگے اور ان کے حق میں ہاتھ اٹھا کر دعائیں کرنے لگے۔

اگر مسلمانوں اور دیگر اقوام کی فتوحات کا تقابلی مطالعہ کیا جائے تو دنیا کی تمام اقوام پر مسلمانوں کی اخلاقی برتری ثابت ہو جائے گی۔ مثلاً ۱۸/مئی ۱۹۷۵ء کے لندن کے اخبار ’’ٹائمز‘‘ نے امریکہ کے ساتھ جنوبی وشمالی ویتنام کی لڑائیوں کے جو اعداد وشمار پیش کیے ہیں وہ ہوش اڑانے والے ہیں۔ چنانچہ ان جنگوں میں امریکی فضائیہ نے اٹھارہ لاکھ ننانوے ہزار چھ سو اڑسٹھ حملے کیے اور سرسٹھ لاکھ ستائیس ہزار چوراسی ٹن بم گرائے۔ وہاں کی نباتات کو تباہ کرنے کے لیے ایک کروڑ نوے لاکھ گیلن تباہ کن مادہ پھینکا اور پینتیس لاکھ ایکڑ زمین پر زہریلی دوائیں چھڑکیں جن کا اثر ایک سو برس تک رہے گا۔ ان جنگوں میں چھتیس لاکھ افراد ہلاک‘ نو لاکھ بچے یتیم‘ پندرہ لاکھ ساٹھ ہزار شہری زخمی اور ایک کروڑ سے زائد افراد پناہ گزیں ہوئے۔

مذہبی رواداری

مسلمانوں کی تاریخ کا ایک امتیازی پہلو اُن کی مذہبی رواداری ہے۔ مذہبی رواداری کا مطلب یہ ہے کہ اپنے مذہبی تشخص اور عقائد ومسلّمات کو باقی رکھتے ہوئے انسانی بنیادوں پر دوسرے مذاہب کے متبعین کی عزت واحترام کرنا اور ان سے خوش اخلاقی سے پیش آنا۔ اسلام اس کی تعلیم دیتا ہے اور نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام ؓ نے اسے عملی جامہ پہنایا ہے۔ مذہبی رواداری کی سب سے بڑی مثال فتح مکہ کے موقع پر اپنے جانی دشمنوں کے لیے عام معافی کا اعلان تھا۔ اسی طرح جب مدینہ منورہ میں نجران کے عیسائیوں کا وفد آیا تو آپ ﷺ نے ان کا اعزاز واکرام کیا اور انہیں اپنی مسجد میں ٹھہرایا‘ یہاں تک کہ انہیں اپنی عبادت کرنے کی اجازت دی‘ اور جب ان کے علاقوں کو فتح کیا تو ان کے جان ومال‘ ان کی خواتین کی عزت وآبرو‘ ان کی زمین وجائیداد‘ اور ان کے مذہبی امور سب کے تعلق سے اللہ اور رسول کی ضمانت کا اعلان کیا۔ حضرت عمر ؓ نے تمام ذمیوں کو ان کے مذہبی امور کی ادائیگی کی مکمل آزادی دی اور ان کے معبدوں کو تحفظ فراہم کیا‘ اور پھر یہی طریقہ کار دیگر مسلم حکمرانوں کا بھی رہا۔ چنانچہ جہاں جہاں مسلمانوں کی حکومتیں قائم ہوئیں وہاں کے عوام کو مکمل مذہبی آزادی دی گئی‘ ذمیوں کو ان کے مکمل حقوق دیے گئے‘ یہاں تک کہ ذمی کے قتل کے بدلے مسلمان کے قتل کا قانون بھی نافذ کیا گیا۔ یہ صرف اسلامی تاریخ کا طرۂ امتیاز ہے کہ پورے اسلامی دور میں ایک مثال بھی ایسی پیش نہیں کی جا سکتی کہ مسلم حکمرانوں نے کسی انسان کو کبھی تبدیلیٔ مذہب کے لیے مجبور کیا ہو۔ اس کا بنیادی سبب وہ اسلامی تعلیمات ہیں جن میں دین ومذہب میں زور زبردستی سے سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے۔ اسلام کی ان تعلیمات کا اثر یہ ہوا کہ اسلام لوگوں کے دلوں میں گھر کر گیا اور لاکھوں لاکھ لوگ حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔

ہندوستان پر مسلمانوں کی ۸۰۰ سالہ تاریخ حکمرانی میں مسلم حکمرانوں نے مذہبی رواداری کی عظیم مثالیں قائم کیں۔ انہوں نے یہاں کے مذہبی طبقات کو نہ صرف مکمل مذہبی وتہذیبی آزادی دی بلکہ ان کے عبادت خانوں کے لیے بڑی بڑی جاگیریں دیں۔ چنانچہ اکبر‘ جہانگیر‘ شاہجہاں‘ اورنگ زیب اور سلطان ٹیپو نے ہزاروں بیگھے زمینیں مندروں کو الاٹ کیں‘ جن میں سے بہت سی دستاویزات آج بھی ہندوستان کے بہت سے مندروں میں محفوظ ہیں۔ اس کا

مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کے اعلیٰ اخلاق سے غیر مسلموں کے دلوں کے دروازے کھل جائیں اور ان میں اسلامی تعلیمات اثر انداز ہو جائیں جو ان کے لیے ہدایت کا ذریعہ بن جائیں۔ تاہم مذہبی رواداری کے نام پر بعض حکمرانوں نے اس درجہ غلو کیا کہ وہ اسلامی حدود کو تجاوز کر گئے‘ جیسے کہ ہندو خواتین سے شادی اور غیر مسلموں کی عبادات میں شرکت وغیرہ۔

دیگر اقوام کی مذہبی عصبیت

مسلمانوں کے سوا دیگر اقوام میں مذہبی رواداری کا شائبہ بھی نہیں ملتا‘ بلکہ تاریخ کے صفحات نے ایسے واقعات بھی محفوظ کیے ہیں کہ نسل و مذہب کے نام پر لاکھوں انسانوں کو خون سے نہلا دیا گیا۔ ہندوستان میں بدھ مت کے پیرو لاکھوں لوگوں کا قتل عام ہوا۔ ہٹلر کے ہاتھوں ساٹھ لاکھ یہودیوں اور چالیس لاکھ غیر یہودیوں کا خون بہایا گیا۔ چیچنیا میں لاکھوں مسلمانوں کی نسل کشی‘ امریکہ کے افغانستان و عراق پر حملے کے باعث بیس لاکھ سے زائد مسلمانوں کا قتل عام اور ہندوستان میں ۱۹۴۷ء سے تا حال حکومت کی نگرانی میں ہونے والے ۳۵ ہزار سے زائد مذہبی فسادات جیسے سینکڑوں واقعات تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہیں۔ یہ تاریخِ عالَم کے وہ شرمناک پہلو ہیں جن پر انسانیت خون کے آنسو روتی ہے اور جو ان تمام اقوام کے سیاہ چہرے عیاں کرتے ہیں‘ مگر یہ چیزیں آج دنیا کو نظر نہیں آتیں۔

ہمارا ماضی قابلِ فخر ہے

ہماری درخشاں تاریخ پر آسمان بھی فخر کرتا ہے اور زمین نے اس سے زیادہ بہتر تاریخ نہیں دیکھی‘ یہاں تک کہ اسلام کے دشمنوں کو بھی اعتراف کرنا پڑا کہ دنیا کو سب سے محفوظ تاریخ اور اخلاق کی اعلیٰ قدریں اور علم کے بیش بہا خزائن صرف مسلمانوں نے دیے ہیں۔ مستشرقین جن کا مقصد اسلامی علوم میں مہارت حاصل کر کے اسلامی تاریخ اور مآخذ کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرنا تھا‘ جس سے انہوں نے نسل نو کو گمراہ کرنے کی مذموم کوششیں کیں‘ وہ بھی تاریخِ اسلامی کی بالاتری قبول کرنے پر مجبور ہوئے۔

نسلِ نو کی تاریخ فراموشی

لیکن صد افسوس کہ مسلمانوں نے اللہ ربّ العزت کی دی ہوئی اس عظیم نعمت کی ناشکری کی اور اپنی تاریخ کو رفتہ رفتہ فراموش کر بیٹھے‘ یہاں تک کہ نسلِ نو کا رابطہ اس کے ماضی سے کٹ

گیا‘ وہ اپنے اسلاف کے کارناموں اور بنی نوعِ انسانی پر ان کے احسانات کو بھول گئے۔ یہاں تک کہ وہ دن آ گیا کہ انہیں یورپ کے سائنسدان اور ان کے کارنامے تو یاد رہے لیکن ان کے معلمین اوّلین کا حال معلوم نہ رہا۔ انہوں نے جدید ٹیکنالوجی کو دیکھ کر مغرب کی برتری تو تسلیم کی لیکن اسی مغرب کو جہالت کے اندھیرے سے نکالنے والے اور اس کی علمی پرورش کرنے والے اپنے آباء کا ذکر بھول گئے۔ وہ یہ بھول بیٹھے کہ آج دنیا میں جہاں کہیں بھی ترقیات نظر آتی ہیں اور جس قدر بھی ایجادات و اختراعات سے فائدہ اُٹھایا جا رہا ہے ان کے اصول و قواعد وضع کرنے والے انہی کے اجداد تھے۔ وہ مغربی تہذیب کے دلدادہ ہو گئے‘ لیکن یہ بات فراموش کر بیٹھے کہ دنیا کی سب سے اعلیٰ تہذیب اسلامی تہذیب ہے جس نے یورپ کے حیوانوں کو انسانی طور طریقے سکھائے تھے۔ بقول علامہ اقبالؒ

کبھی اے نوجواں مسلم تدبّر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا!

اسلام بیزاری اور ماضی فراموشی کا یہ مرض عالمِ اسلام کے مسلمانوں کے ساتھ ہماری ہندوستانی نسل میں بھی سرایت کر گیا۔ چنانچہ وہ بھی ہند کی تعمیر و ترقی میں مسلمانوں کا کردار بھول گئی۔ اسے راجہ اشوک‘ چندر گپت اور راجہ رام اور ان کی اصلاحات تو یاد رہیں لیکن مسلمانوں کے آٹھ سو سالہ دورِ ترقی میں ہندوستان پر ان کے بے شمار احسانات فراموش کر بیٹھے۔ جنگ آزادی کے ہیرو بھگت سنگھ‘ چندر شیکھر آزاد اور گاندھی جی تو یاد رہے‘ لیکن سراج الدولہ‘ حیدر علی‘ شیر میسور سلطان ٹیپو‘ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی‘ شاہ اسمٰعیل شہید‘ سید احمد شہید‘ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیو بندی اور ابوالکلام آزاد (رحمہم اللہ) جیسے قائدین کی قربانیاں یاد نہ رہیں۔

انہوں نے جلیاں والے باغ کے شہداء کو خراجِ عقیدت تو پیش کیا‘ لیکن ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد شہید کیے جانے والے دو لاکھ مسلمان اور ان کے ساڑھے اکیاون ہزار علماء کی شہادت پر اشک بہانا بھول گئے۔ انہیں گاندھی جی کی ستیہ گرہ تحریک تو یاد رہی‘ لیکن تحریک شہیدین‘ تحریک ریشمی رومال اور بھارت چھوڑو تحریک بھول گئے۔

مسلمان جب اپنی تاریخ فراموش کر بیٹھے‘ اپنے اسلاف کی قربانیوں کو بھول گئے اور اپنے تابناک ماضی پر فخر کرنے کے بجائے احساسِ شرمندگی سے اس سے دامن چھڑانے لگے تو اس احساسِ کمتری نے ان کو کھوکھلا اور بے جان بنا دیا اور پھر ہر جگہ وہ بے وزن ہو کر رہ گئے۔ جو قوم

اپنے قیمتی تاریخی اثاثوں کو چھوڑ کر دوسروں کے سستے تاریخی سائبانوں میں پناہ ڈھونڈنے لگے اس کا کوئی پُرسانِ حال نہیں ہوتا اور اس کا زوال یقینی ہو جاتا ہے۔

مسلمانوں کے اسلامی تاریخ وتہذیب سے دوری کے اسباب

ہماری نسل اپنی تاریخ اور اپنی تہذیب سے دور کیوں ہوئی؟ اس کے جو عوامل ہیں‘ طوالت کو مدنظر رکھتے ہوئے انہیں نکتہ وار ذکر کیا جا رہا ہے:

(۱) قرآن وسنت اور علم دین سے دوری۔

(۲) تاریخ اسلام سے ناواقفیت۔

(۳) اسلام مخالف مغربی نظامِ تعلیم۔

(۴) معاصر زبانوں میں اسلامی لٹریچر کی کمی کے باعث نوجوانوں کا مستشرقین کے زہریلے لٹریچر کا مطالعہ کرنا۔

(۵) اپنی اولاد کی ذہن سازی کے طرف سے والدین کی بے توجہی۔

(۶) ہندو وادی اور عیسائی مشنری اسکولوں کی ریشہ دوانیاں۔

(۷) مغربی تہذیب کے سامنے احساسِ کمتری۔

مغرب پسندی سے اسلام بیداری کی طرف

آج امتِ مسلمہ میں اسلامی بیداری لانے کی ہر ممکن کوشش کرنا ہر مسلمان کا فریضہ ہے اور مغربی تاریخ کے گھناؤنے پہلو اور اس کی تہذیب کے زہریلے اثرات سے امت کو واقف کرانا بھی علماء و دانشوران کی ذمہ داری ہے‘ کیونکہ جب تک مسلمان مغرب بیزار نہیں ہوں گے ان میں اسلامی بیداری پیدا نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ علامہ اقبال مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تم ہر حال میں اپنے ماضی پر فخر کرو اور تہذیب جدید سے مرعوب مت ہو۔ یہ تہذیب جدید ایک سراب سے بڑھ کر کچھ نہیں ہے۔ علامہ فرماتے ہیں؎

یورپ میں بہت روشنیٔ علم و ہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمۂ حیواں ہے یہ ظلمات
یہ علم‘ یہ حکمت‘ یہ تدبّر‘ یہ حکومت
پیتے ہیں لہو‘ دیتے ہیں تعلیم مساوات!

یہ تہذیب جس قوم میں بھی سرایت کر گئی‘ گھن کی طرح چاٹ کر اسے کھوکھلا کر دیا‘ جس کی وجہ یہ ہے کہ یہ وحی الٰہی کی روشنی سے محروم تہذیب ہے۔ علامہ فرماتے ہیں:؎

بیکاری و عریانی و مے خواری و افلاس
کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کی کرامات
وہ قوم کہ فیضانِ سماوی سے ہو محروم
حد اس کے کمالات کی ہے برقِ بخارات

اس تہذیب کی موت خود اس کے ہاتھوں ہونی ہے اور وہ دن دور نہیں جب اس کا سراب چھٹ جائے گا‘ جبکہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کی امامت کے لیے بھیجا ہے۔ فکری غلامی کا شکار ہو کر وہ خود اپنی ناقدری کر رہے ہیں۔ اس لیے انہیں چاہیے کہ اپنے مقصد کو کبھی فراموش نہ کریں۔؎

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا!

اور؎

کر سکتے تھے جو اپنے زمانے کی امامت
وہ کہنہ دماغ اپنے زمانے کے ہیں پیرو!

زہر کا تریاق

مسلمانوں کی نسل نو کو قرآن مجید اور سنت رسول ﷺ پر مبنی صحیح اسلامی تعلیمات سے واقف کرانا اشد ضروری ہے اور ان کا رشتہ ان کے تابناک ماضی سے جوڑنے کے لیے ہر ممکن کوشش کرنے کی ضرورت ہے۔ یہاں نکتہ وار وہ طریقے ذکر کیے جا رہے ہیں جن کو اپنا کر مغرب کی فکری یلغار سے مسلمانوں کو بچایا جا سکے گا اور مغرب نے ہمارے معاشرے میں جو زہر گھول دیا ہے‘ ان شاء اللہ‘ یہ اس کے لیے تریاق ثابت ہوگا۔

(۱) مسلم بچوں اور بچیوں کو تعلیم کے ابتدائی مرحلے پر ہی قرآن مجید صحیح تلفظ کے ساتھ پڑھنا سکھایا جائے۔

(۲) مسلم بچیوں کی صحیح اسلامی تربیت کا اہتمام کیا جائے تاکہ وہ اپنی اولادوں میں اسلامی

مزاج پیدا کرسکیں۔

(۳) اولاد کی تربیت کے لیے اُمہات المسلمین کے تربیتی پروگراموں کا اہتمام کیا جائے۔

(۴) متداول تعلیم کے ساتھ ساتھ پورے قرآن مجید کا ترجمہ مرحلہ وار پڑھایا جائے۔

(۵) دلکش انداز اور آسان ترین معاصر زبانوں میں نائٹ اسٹوریز اور اسٹوری بکس کے نام سے لٹریچر تیار کیے جائیں۔

(۶) اسلامی سکولوں میں قرآن مجید کے منتخب مقامات اور منتخب احادیثِ نبویہؐ پر مبنی نصاب رائج کیا جائے۔

(۷) اسلامی اسکولوں میں تیسرے سے بارہویں درجہ تک سیرتِ نبویؐ اور اسلامی تاریخ کو لازمی قرار دیا جائے۔

(۸) بارہویں کلاس کے بعد طلبہ کو باقاعدہ اسلامی تاریخ اور دیگر اقوام کی تاریخ کا تقابلی مطالعہ کرایا جائے۔

(۹) طلبہ کی تعطیلات سے فائدہ اٹھا کر چند روزہ ورکشاپ کا اہتمام کیا جائے‘ جس میں اسلامی تہذیب کی خصوصیات اور اس کے تابناک پہلوؤں کو بیان کیا جائے اور مغربی تہذیب اور ہندوستان کی قدیم تہذیب کا ناقدانہ جائزہ لیا جائے‘ نیز ورک شاپ کے ایک سیشن کو تاریخ اسلامی سے متعلق مستشرقین کے اعتراضات کے جوابات کے لیے خاص کیا جائے۔

(۱۰) مدارسِ اسلامیہ کے نصاب میں شامل مروجہ تاریخِ اسلام عہدِ حاضر کے تقاضوں کے لیے ناکافی ہے‘ اس لیے اسے از سرِنو مرتب کیا جائے اور مکمل تاریخِ اسلام کو داخل نصاب کیا جائے۔

(۱۱) عوام الناس اور خاص طور پر پڑھے لکھے لوگوں میں اسلامی بیداری پیدا کرنے اور انہیں ان کے ماضی سے جوڑنے کے لیے جمعہ کے خطبوں کا اہتمام کیا جائے۔ اس کے لیے ایک کمیٹی ایسی تشکیل دی جائے جو مختلف اسلامی موضوعات پر قرآن وسنت کی روشنی میں خطبات تیار کر کے ائمہ کرام تک پہنچانے کا اہتمام کرے۔

۞۞۞

اصلی اور فرعی مسائل میں
مخالفین کے ساتھ برتاؤ کرنے کے
فقہی ضابطے

تالیف: ڈاکٹر احمد بن سعد الغامدیؒ (م ۱۴۳۴ھ)

ترجمہ: ڈاکٹر صہیب حسن☆

تمہید

عصرِ حاضر کے لوگوں کی زندگی میں ایسے بہت سے حالات اور واقعات پیش آ رہے ہیں جن میں شریعت کی خاص نصوص وارد نہیں ہوئیں، گو شریعت کی عمومی نصوص یا ان کا مفہوم ایسے مسائل کا احاطہ کرتا نظر آتا ہے، لیکن اسے صرف اللہ سے تعلق رکھنے والے علماء ہی پہچان سکتے ہیں۔ عصرِ حاضر کے ان حوادث کی چھان بین کرنے والے شخص کے لیے ضروری ہے کہ وہ نصوصِ شرعیہ کی روشنی میں اپنے فہم کے مطابق کوئی بھی حکم لگاتے وقت علماءِ ربانیین کے فہم سے بھی بھرپور استفادہ کرتا رہے تاکہ اس کا اپنا فہم ان کے فہم کے دائرہ سے باہر نہ نکل سکے۔ اور اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے ایک باحث کو سلف کے ذخیرۂ کتب میں غواصی کرنا ہوگی تاکہ نصوصِ شرعیہ کے بارے میں ان محققین علماء کے فہم کا پہلے ادراک کیا جائے اور پھر دیکھا جائے کہ اس کا اپنا فہم کہاں تک ان کے فہم سے مطابقت رکھتا ہے۔ اور اس طرح وہ اپنے فہم کو قبول کرنے یا ٹھکرا دینے کا فیصلہ کر سکتا ہے۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ نئے نئے مسائل میں

☆ سیکرٹری، اسلامک شریعہ کونسل، لندن (برطانیہ)

ہمارے قدیم علماء کا ایسا کلام ملنا بڑا مشکل ہے جو نصوصِ شرعیہ کے سمجھنے میں اور ہمارے اپنے فہم کی تصحیح کرنے میں مدد دے سکے۔

ہاں، علماء نے ایسی بہت سی شرحیں لکھی ہیں جو نصوص کی تشریح کرتی ہیں اور ان کے زمانے میں پائے جانے والے حالات و واقعات پر دلالت بھی کرتی ہیں، لیکن ان کا عصرِ حاضر کے حالات و واقعات پر انطباق کرنا ہر شخص کے لیے آسان نہیں ہے، اس لیے بہرصورت اس بات کی ضرورت باقی رہتی ہے کہ قابلِ قدر اور ثقہ اہلِ علم سے اس باب میں مدد لی جاتی رہے۔ محققین علماء کے کلام کو دیکھنے اور پرکھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ ان میں کچھ حضرات نے نصوص کا تعلق زندگی میں پیش آنے والے نئے نئے واقعات سے قائم کرنے میں کثرت سے کلام کیا ہے اور کچھ نے سرسری انداز سے بات کی ہے جو بہرصورت ہمارے لیے مفید رہی ہے، لیکن ان تمام اہلِ علم میں ایک قد آور شخصیت نظر آتی ہے جس نے معاشرے کے حالات کو نصوصِ شرعیہ کی روشنی میں پرکھنے کی ایسی کوشش کی ہے کہ کوئی بھی مسئلہ اٹھا کر دیکھ لیں، آپ کو وہ کوئی قاعدہ، کوئی حل یا کوئی قابلِ تقلید مثال پیش کرتے نظر آئیں گے۔

یہ شخصیت ہیں، امام اور محقق شیخ الاسلام ابن تیمیہ ؒ۔ ان کی اس امتیازی شخصیت کے پیچھے وہ حالات ہیں جو زندگی میں انہیں پیش آئے۔ ہم وہ نمایاں پہلو پیش کرنے کی کوشش کریں گے جن کی وجہ سے وہ اپنے معاصر علماء میں فائق نظر آتے ہیں اور اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا کلام کیوں نمایاں ہے؟

اوّل: وہ علم کے بحرِ بےکنار ہیں، شریعت کے اکثر علوم پر حاوی ہیں، جس فن پر بھی بات کریں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف اسی فن کے ماہر ہیں، اور یہ قدرتی بات ہے، کیونکہ ہر شخص محدود عمر کے ہوتے ہوئے ہر فن کا ادراک نہیں کر سکتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی عنایت خاص سے نوازا تو وہ اس نمایاں حیثیت کو پہنچے۔ ابن دقیق العید کہتے ہیں: ’’سارے علوم ان کی آنکھوں کے سامنے ہیں، وہ جو چاہتے ہیں اخذ کرتے ہیں اور جو چاہتے ہیں چھوڑتے جاتے ہیں۔‘‘(۱)

قرآن مجید کو لے لیں، کوئی بھی مسئلہ ہو وہ اپنے بےنظیر حافظے اور قرآن کے اپنی آنکھوں کے سامنے ہونے کی وجہ سے اس سے متعلق آیات کو بلاتکلّف پیش کرتے چلے جائیں گے۔ فنِ تفسیر کو دیکھ لیں، اگر کسی آیت کے معانی و مطالب کو بیان کرنے پر آئیں تو بڑے اہتمام

سے ایسے ایسے نکات پیش کریں گے کہ انسان تعجب کیے بغیر نہ رہے گا۔ مثال دیکھنی ہو تو قرآن کی چھوٹی سورتوں کی تفسیر دیکھیں‘ خاص طور پر سورۃ الاخلاص اور سورۃ الاعلیٰ کی تفسیر دیکھیں‘ وہ معانی ومطالب کے ایسے ایسے موتی لٹائیں گے کہ قاری دنگ رہ جائے۔

ابن تیمیہ کے ایک معاصر عالم البرزانی (ف ۷۳۹ھ) ارشاد فرماتے ہیں:(۲)

’’ان کے پائے کا کوئی عالم نہ تھا‘ مرتبہ اجتہاد پر فائز تھے‘ مجتہد ہونے کی ساری شرطیں ان میں پائی جاتی تھیں‘ جب تفسیر بیان کرتے تو لوگ حیران رہ جاتے‘ اس لیے کہ وہ ہر قول کے بارے میں بیان کرتے کہ کیا راجح ہے‘ کیا ضعیف ہے اور کیا غلط ہے‘ اور اس پر مستزاد ان کی یادداشت میں روانی تھی‘ اور ادائیگی برموقع تھی۔‘‘(۳)

پھر علمِ حدیث کو لے لیجیے‘ اگر کسی مسئلہ میں کسی قول کو راجح قرار دیا ہے تو اس بارے میں تمام احادیث بیان کریں گے اور یہ بھی بتائیں گے کہ ان کی تخریج کیا ہے‘ حدیث کا صحت اور ضعف اور اسانید کے اعتبار سے کیا درجہ ہے۔ الذہبی (ف ۷۴۸ھ) کہتے ہیں:

’’جن دنوں وہ اسکندریہ میں قید تھے‘ والیٔ سبتہ نے ان سے درخواست کی کہ وہ اپنی مروی احادیث کا انہیں اجازت نامہ عطا فرمائیں اور ان میں سے کچھ کا ذکر بھی کر دیں تو انہوں نے اپنی یادداشت سے دس اوراق پر مشتمل احادیث مع اسانید تحریر کر دیں‘ اور یہ ایسا کام ہے کہ ایک بڑے سے بڑے محدث کے لیے بھی ایسا کرنا مشکل ہوگا۔ امام صاحب کو حدیث سے متعلق تمام علوم میں مہارت حاصل تھی‘ جیسے فن رجال حدیث‘ ان کے بارے میں جرح وتعدیل کے کلمات‘ ان کے طبقات‘ حدیث کے دیگر فنون جیسے عالی اور سافل اور صحیح اور ضعیف درجے کی احادیث اور پھر ان کا زبانی یاد رکھنا۔ معاصر علماء میں سے کوئی بھی ان کے درجہ تک پہنچتا نظر نہیں آتا‘ اور جس طریقے سے وہ ان احادیث کو زبان کی نوک پر رکھے نظر آتے ہیں اور پھر ان سے دلائل اخذ کرتے ہیں وہ انتہائی اچنبھے کی بات معلوم ہوتی ہے‘ اور پھر یہ کہ وہ کتب ستہ اور مسند امام احمد کا حوالہ دے کر بتائیں گے کہ یہ احادیث کہاں کہاں پائی جاتی ہیں‘ اسی لیے یہ کہنا درست ہوگا کہ جس حدیث کو ابن تیمیہ نہیں جانتے وہ حدیث نہیں ہے۔ بہرحال علم کلی کا احاطہ تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کر سکتے ہیں‘ ہاں اتنا کہا جاسکتا ہے کہ جہاں دوسرے علماء پانی کی کھاڑیوں سے چلو بھرتے نظر آتے ہیں تو وہ براہِ راست سمندر سے دو دو ہاتھ کرتے نظر آتے ہیں۔‘‘(۴)

ابن کثیر (ف ۷۷۴ھ) ارشاد فرماتے ہیں:

’’علمِ حدیث کے وہ علمبردار ہیں‘ حافظ حدیث ہیں‘ صحیح اور کمزور حدیث کو خوب جانتے ہیں‘ رجال حدیث کا بھرپور علم رکھتے ہیں۔‘‘(۵)

اور جہاں تک فقہ کا تعلق ہے تو ان کے فتاویٰ پڑھنے والا خوب جانتا ہے کہ انہیں مختلف مذاہب کی آراء کے بیان کرنے اور پھر ان میں ترجیح دینے کا کتنا بڑا ملکہ حاصل ہے۔ البرزالی ارشاد فرماتے ہیں:

’’فقہ اور صحابہ وتابعین کے مذاہب اور مذاہبِ اربعہ کے نقل کرنے میں ان کا کوئی ثانی نہیں۔‘‘(۶)

اور جہاں تک عربی زبان کا تعلق ہے تو جہاں جہاں انہوں نے لغوی چھان بین کی ہے تو لغت میں بھی ان کی کمال مہارت کا پتا چلتا ہے۔ اور رہے مذاہب‘ ادیان‘ فلسفہ اور تاریخ کا علم تو ان کی کتابوں کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ ان علوم میں کوئی بھی ان کا ہم پلہ نہیں۔

البرزالی‘ امام ذہبی کا قول نقل کرتے ہیں کہ:

’’تفسیر کی معرفت میں وہ حرفِ آخر ہیں‘ حدیث کے رجال‘ صحیح اور ضعیف کی معرفت میں وہ مرجع ہیں‘ مذاہب اربعہ کے علاوہ صحابہ اور تابعین کے مذاہب کا حوالہ دینے میں ان کا کوئی ثانی نہیں۔ علمِ کلام‘ اصول اور فرق و مذاہب کی معرفت میں بھی ان کا کوئی مثیل نہیں‘ لغت اور زبان کے اسرار ورموز کا خوب علم رکھتے ہیں‘ سیرت وتاریخ کا بھی احاطہ کیے ہوئے ہیں‘ عملی میدان میں ان کی شجاعت‘ علمِ جہاد کا بلند کرنا بیان سے باہر ہے‘ جود وسخاوت میں ان کی مثالیں بیان کی جاتی ہیں‘ لیکن کھانے پینے اور رہنے سہنے میں زہد وقناعت کی تصویر ہیں۔‘‘(۷)

دوم: اپنے زمانے کے لوگوں کے حالات سے باخبر تھے‘ لوگ نہ صرف ان کے قریب تھے بلکہ ان پر کامل بھروسہ رکھتے تھے۔ ہر جگہ سے لوگ ان سے سوالات کرتے تھے‘ اس لیے کہ وہ لوگوں کو پیش آنے والے تمام مسائل کو بخوبی جانتے تھے اور مناسب حال فتویٰ دیا کرتے تھے اور پھر ایسے عملی قاعدے بھی بتاتے تھے کہ جس سے وہ پیش آمدہ حالات اور نئے نئے مسائل کا حل تلاش کر سکیں۔

ابن فضل اللہ العمری (۷۴۹ھ) ابن ناصر الدمشقی کے حوالے سے‘ ابن تیمیہ کے حالاتِ زندگی کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

’’فتاویٰ ان کی طرف کھنچے چلے آتے تھے‘ وہ ان کی طرف نہیں جاتے تھے اور جب ان سے فتویٰ پوچھا جاتا تو وہ ایسے ایسے جواب دیتے گویا وہ اس کے انتظار میں بیٹھے تھے:

أَبَدًا علی طرف اللسان جوابه   فکأنّما هي دفعةٌ من صيّبِ

”زبان کی نوک پر جواب دھرا رہتا ہے‘ گویا موسلا دھار بارش برس رہی ہے۔“(۸)

ابن تیمیہ ؒ نے اپنی آنکھوں سے لوگوں کی مشکلات‘ ان کے باہمی تنازعوں اور اختلافات کو دیکھا اور اسی لیے ان کے فتاویٰ اور ارشادات نئے آمدہ مسائل اور لوگوں کے حالات کے مطابق ہوا کرتے تھے‘ اور اگر ان کا ہمارے زمانے کے جدید مسائل سے مقابلہ کیا جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ خاص طور پر ایک حد تک ہمارے ہی مسائل کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں۔

عصرِ حاضر کے جدید مسائل کے بارے میں بحث وتحقیق کرنے والا ابن تیمیہؒ کے فتاویٰ اور ارشادات میں وہ کچھ پاتا ہے جو اس گہرائی سے اور اس کثرت سے کسی ایک عالم کے پاس شاید ہی ملے۔ ہاں ہوسکتا ہے کہ ایک عالم کے پاس نہیں بلکہ متعدد علماء کے پاس یہی باتیں جزئی طور پر یا بکھری ہوئی پائی جائیں‘ اور اس مقصد کے لیے کافی زیادہ بحث وتحقیق کی ضرورت ہے۔ انہوں نے اس حقیقت کی طرف خود ہی ان الفاظ سے اشارہ کیا ہے:

> ”اللہ تعالیٰ ایک عالم کو اس علم اور فہم سے نوازتے ہیں جو دوسرے کو حاصل نہیں ہوتا‘ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس دوسرے شخص کے پاس ان مسائل کا علم ہو جو پہلے والے کے پاس نہ ہو۔“(۹)

سوم: ابن تیمیہ کے کلام میں جو ٹھہراؤ اور گہرائی پائی جاتی ہے‘ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ایک ایسے عالم کی مانند ہیں جو دین پر فخر کرتا ہوا ان درآمدہ مناہج کو خوب پرکھنا جانتا ہو جنھوں نے بہت سے علماء کلام (بمعنی عقائد) کو بھی اس طرح دھوکہ دیا ہے کہ وہ انہیں شرعی مناہج سے خلط ملط کر چکے ہیں‘ اور اس بنا پر یہ کہنا درست ہوگا کہ انہیں فہم کی درستگی اور منہج کی پاکیزگی کا افتخار حاصل ہے اور اس لیے ان کے فتاویٰ اور ارشادات کی ایک الگ شان نظر آتی ہے۔

ان کی یہی امتیازی خصوصیات ہیں جنہوں نے میرے علاوہ ہزارہا دوسرے محققین کو اپنی طرف کھینچا ہے اور وہ ان قواعد وضوابط پر بھروسہ رکھتے ہیں جو انہوں نے سلف صالح کی فہم کے مطابق شرعی دلائل سے اخذ کیے ہیں۔

ہم نے اختصار سے یہ تنبیہہ کرنا ضروری سمجھا تاکہ قاری کو اندازہ ہو سکے کہ ہم نے اس عظیم محقق کے اقوال کو کئی دوسرے علماء کی طرح‘ اس کثرت سے کیوں پیش کیا ہے۔ کتاب میں دیے گئے حوالوں سے اس بات کی تصدیق ہوتی رہے گی۔

حواشی

(۱) جلاء العينين فى محاكمة الاحمدين‘ ص٦۔

(۲) الذہبی اپنے معاصر البرزالی کے بارے میں کہتے ہیں: ”وہ امام ہیں‘ حافظ ہیں‘ بات کو عمدگی سے پیش کرنے والے ہیں‘ صادق اور حجت ہیں‘ ہمارے استاذ رفیق اور مربّی ہیں‘ ارضِ شام کے محدّث‘ ہمارے زمانے کے مؤرخ اور اساتذہ کے سرخیل ہیں۔“ (م۲۔ ورقۃ ۲۵)

(۳) الشهادة الزكية‘ از مرعى بن يوسف الكرمى۔

(۴) ایضاً (٤٨)۔ (۵) البداية والنهاية : ١٣٧:١٤ ۔

(۶) ابن الہادی نے ”العقود الدرية فى مناقب شيخ الاسلام احمد بن تيميه“ (۳۹) میں اس کا ذکر کیا۔

(۷) الرد الوافر‘ از ابن ناصر الدين الدمشقى (۳۳)۔ (۹) الفتاوىٰ ٢٢٤:٢٠ ۔

❁❁❁

ضابطہ نمبر ۱:

نیّت کا درست کرنا واجب ہے

ہر اُس عمل سے پہلے جس سے اللہ کا تقرب حاصل کرنا مقصود ہو‘ نیت کا درست کرنا مشروع ہے۔ بروایت حضرت عمرؓ‘ نبی مکرمﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ)) (۱) ”اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔“

مخالفین کے ساتھ بات چیت کرنا اور ان کی تردید کرنا‘ نیکی کے اعمال میں سے ایک عمل ہے‘ اس لیے بات چیت کرنے والے یا تردید کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ اس کا ارادہ صرف غلطی کی تصحیح کرنا اور صحیح بات بتانا ہو‘ یہ مقصد نہ ہو کہ مخالفین کو بدنام کیا جائے یا ان کے عیب نکالے جائیں یا اپنے آپ کو نمایاں کرنے یا شہرت حاصل کرنے کا ارادہ ہو۔ ایسا کرنے سے نہ صرف یہ کہ دوسروں کو تکلیف پہنچتی ہے بلکہ یہ شخص گناہگار بھی ہوتا ہے اور اس گناہ کے نتیجے میں اس کا عمل رائیگاں بھی چلا جاسکتا ہے۔ اسی لیے بات چیت کرنے والے یا تردید کرنے

والے کے لیے خالص نیت کا ہونا ضروری ہے تاکہ شیطان کو دخل اندازی کا موقع نہ مل سکے۔ اور جو شخص اس بات کی ہمت نہ رکھتا ہو تو بہتر ہے کہ وہ اس قسم کی بات چیت میں سرے سے داخل ہی نہ ہو، تاکہ اس کے پاکیزہ عقیدے اور اخلاصِ نیت کی حفاظت ہو سکے۔

’’حق کے بیان میں کیا غیبت کرنا جائز ہے؟‘‘ اس سوال کے جواب میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ ؒ ارشاد فرماتے ہیں:

’’جو شخص علم سے مسلح ہو کر اس میدان میں اُترتا ہے تو اس کے لیے حسنِ نیت ضروری ہے۔ اگر وہ حق کی بات بھی کرتا ہے لیکن اس کا ارادہ زمین میں بڑائی حاصل کرنا یا فساد پھیلانا ہے تو وہ اس شخص کی مانند ہے جو عصبیت اور ریاکاری کی بنا پر قتال کرتا ہے، اور اگر وہ صرف اللہ عزوجل کی خاطر اور دین خالص کی نیت سے بات کرتا ہے تو وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں اور انبیاء ورسلؑ کے وارثین میں سے شمار ہوگا۔‘‘(۲)

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اس موذی مرض کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

’’اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو جگہ جگہ مشرکین کی طرف سے دی گئی ایذاؤں پر صبر کرنے کا حکم دیا ہے، حالانکہ وہ ان سب لوگوں کے امام ہیں جو نیکی کا حکم دیتے ہیں اور بدی سے روکتے ہیں، اس لیے ہر انسان کے لیے ضروری ہے کہ اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر دے اور صرف یہ ارادہ رکھے کہ مجھے اللہ کے حکم کی پابندی کرنا ہے، مخالف کی اصلاح کرنی ہے یا اس پر حجت قائم کرنا ہے۔ لیکن اگر مقصود یہ ہو کہ اپنے لیے یا اپنے گروہ کے لیے سرداری حاصل ہو جائے اور دوسرے کا عیب ثابت ہو جائے تو یہ وہ عصبیت ہے جسے اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتے، اور اسی طرح اگر ناموری یا ریاکاری کے لیے کام کیا جائے تو یہ عمل رائیگاں چلا جائے گا۔

پھر اگر لوگ اس کا جواب دینے لگیں یا اسے ایذا پہنچائیں یا یہ کہیں کہ یہ خود غلط ہے اور اس کی غرض بھی فاسد ہے اور پھر اس کے نفس میں بدلہ لینے کی خواہش جنم لے اور شیطان اس پر غالب آ جائے، تو اگرچہ آغاز میں وہ اللہ ہی کی خاطر اٹھا تھا لیکن پھر بربنائے خواہش اپنے مخالفین اور ایذاء پہنچانے والوں پر غالب آنے کا ارادہ قوی ہو گیا، اور پھر ہو سکتا ہے کہ وہ ان پر زیادتی کرنے کا بھی مرتکب ہو جائے۔

اب ہوتا یہ ہے کہ مختلف آراء رکھنے والے اپنے آپ کو صحیح سمجھتے ہیں اور یہ کہ وہی حق پر ہیں اور سنت کے حامل ہیں۔ ان میں سے اکثر ایسے لوگ ہیں جو اپنی ذاتی وجاہت، ریاست اور اپنے سے منسوب خیالات کی کامیابی کی خواہش رکھتے ہیں، ان کا

یہ مقصد نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہو اور سارے کا سارا دین اللہ ہی کے لیے ہو جائے، اپنے مخالف پر غیظ وغضب کا اظہار کرتے ہیں، چاہے وہ اپنے اجتہاد میں عذر رکھتا ہو کہ جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس سے ناراض نہ ہوں، اور یہ لوگ ان لوگوں سے راضی رہتے ہیں جو ان کے ہمنوا ہوں چاہے وہ نرے جاہل ہوں، بدارادہ ہوں، نہ صاحب علم ہوں، نہ اچھا قصد رکھتے ہوں، اور نتیجتاً وہ اس کی تعریف کرتے نظر آتے ہیں جس کی مذمت نہ اللہ نے کی اور نہ اس کے رسول نے، اور وہ اس کی مذمت کرتے ہیں جس کی مذمت نہ اللہ نے کی اور نہ اس کے رسول نے۔ ان کی ساری دوستی اور دشمنی اللہ کے دین اور اللہ کے رسول کے گرد نہیں بلکہ اپنی خواہشات کے گرد گھومتی ہے۔‘‘ (۳)

امام غزالیؒ ایسے شخص کے بارے میں جس کی نیت فاسد ہو، کہتے ہیں:

’’وہ یہ زعم رکھتا ہے کہ وہ تو صرف مخلوق کی اصلاح چاہتا ہے، اور اگر اس کے ساتھیوں میں سے کوئی ایسے ابھر کر آئے کہ وہ مرجع خلائق بن جائے اور اس کے ہاتھ پر لوگوں کی اصلاح ہو، تو حسد اور غم اسے کھا جائیں۔ اور اگر اس کا اپنا کوئی ملاقاتی اس کے کسی ساتھی کی تعریف کر دے تو لوگوں میں وہ مبغوض ترین ٹھہرے۔‘‘(۴)

اور اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ نہیں چاہتا کہ کسی اور کے ہاتھ پر دین کی کامیابی ظاہر ہو، کیونکہ وہ اندر ہی اندر اپنے لیے ریاست اور بڑائی چاہتا تھا نہ کہ دین کی کامیابی اور بڑائی۔ یہ وہ مرض ہے جو پوشیدہ شہوت کے زمرے میں آتا ہے اور اس میں وہ لوگ مبتلا رہتے ہیں جو شہرت اور ناموری چاہتے ہیں۔ ہمیں اللہ اس سے معاف رکھے۔

نیت کے فاسد ہونے کے بارے میں علماء نے اس انداز سے تنبیہہ کی ہے کہ اکثر لوگ اس کا خیال نہیں کر پاتے، اور معلوم ہونا چاہیے کہ اگر شہرت یا ناموری کا قصد ہو یا ایک گروہ کا دوسرے گروہ پر اور ایک شیخ کا دوسرے شیخ پر غلبے کا قصد ہو یا ایک شخص کی عیب جوئی صرف اس لیے روا رکھی جائے کہ وہ مخالفین میں سے ہے یا اس کے اپنے گروہ میں سے ہے، تو نہ صرف مخالفوں کی تردید کرنے والے کا عمل رائیگاں چلا جاتا ہے بلکہ وہ گنہگار بھی ہوتا ہے، کیونکہ اس کے ہاتھ سے ظلم کا ارتکاب ہوا ہے جو کہ قطعاً حرام ہے۔

اور یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ اپنے دوست کی غلطی اور حق سے دوری کے باوجود اس کے بارے میں کچھ نہ کہنا اور مخالف کی نیکی اور علم کے باوجود اس کی غلطیوں کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنا انسان کے عمل کو رائیگاں بنا دیتا ہے اور اسے اللہ کے ہاں مستوجب سزا ٹھہرا دیتا ہے۔ اور جس

شخص کو منکر کے انکار یا غلطی کی تصحیح پر ایذا پہنچے تو اسے صبر کرنا چاہیے‘ معاملہ کو اتنا نہ بڑھانا چاہیے کہ مخالف پر زیادتی کی جائے‘ اسے ناکردہ اقوال کا سزاوار ٹھہرایا جائے‘ اور اس کی زیادتیوں کی وجہ سے اس کی غلطیوں کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا جائے‘ کیونکہ یہ ہوسکتا ہے کہ مخالف اس مسئلہ میں حق کو نہ جانتا ہو اور دوسروں کو غلط سمجھ کر ان پر رد کر رہا ہو‘ اور اپنے اس اجتہاد کی بنا پر اجر کا مستحق ہو‘ لیکن جو شخص تمام حدود کو پامال کرتا ہو اس کی تردید کرے تو اس کے گنہگار ہونے میں کوئی شک نہیں‘ اور خاص طور پر جبکہ وہ خود بھی جانتا ہو کہ وہ زیادتی کر رہا ہے۔

حواشی

(۱) بخاری (۱)‘ مسلم (۳۶۸۵)۔ مسلم کی حدیث میں ’’بِالنِّیَّۃ‘‘ کا لفظ ہے۔

(۲) مجموع الفتاویٰ ۲۸:۲۳۵۔ (۳) منهاج السنه النبوية ۵:۲۵۴۔۲۵۵۔

(۴) احیاء علوم الدین ۳:۳۶۹۔

❁❁❁

ضابطہ نمبر ۲:

اپنے نفس کو پاک کہلانے سے بچنا

اگر آپ کا اپنے کسی ساتھی سے کسی نص کے سمجھنے میں یا کسی مسئلہ کے حکم کے بارے میں اختلاف ہو جائے تو آپ کو کبھی بھی یہ اعتقاد نہیں رکھنا چاہیے کہ آپ پوری طرح درست بات کہہ رہے ہیں کہ جس میں غلطی کا کوئی احتمال نہیں اور یہ کہ آپ کا مخالف پوری طرح غلطی پر ہے کہ جس میں درستگی کا کوئی احتمال نہیں۔ یہ نظریہ نہ صرف ظلم پر مبنی ہے بلکہ اس میں آپ کے نفس‘ آپ کے فہم یا جس کی آپ تقلید کر رہے ہیں اُس کے فہم کا تزکیہ پایا جاتا ہے۔ اور صحیح بات یہی ہے کہ آپ اپنے فہم یا فیصلے میں غلطی کا تھوڑا بہت امکان تسلیم کریں اور اپنے مخالف کے فہم یا فیصلے میں تھوڑی بہت درستگی کی نسبت کا خیال رکھیں‘ کیونکہ آپ کے پاس ایسی کوئی قطعی دلیل نہیں ہے کہ آپ ہی درست ہیں اور آپ کا مخالف غلط۔ اور اس طرح باہمی بات چیت کا دروازہ کھل سکتا ہے اور دو مختلف آراء رکھنے والوں میں فاصلے قریب کیے جاسکتے ہیں اور ان کے درمیان غرور اور تکبر کا بت توڑا جاسکتا ہے۔

’’**الأشباه و النظائر**‘‘ کے شارح لکھتے ہیں:

’’**فائدة**: المُصفّٰی کے آخر میں ارشاد فرمایا: اگر فروع میں ہمارے مذہب اور ہمارے مخالف کے مذہب کے بارے میں ہم سے پوچھا جائے تو ہمارے لیے یہ کہنا واجب ہے کہ ہمارا مذہب صحیح ہے لیکن غلطی کا احتمال رکھتا ہے اور ہمارے مخالف کا مذہب غلط ہے لیکن صحت کا احتمال رکھتا ہے۔ اس لیے کہ اگر آپ قطعی طور پر اپنے تئیں درست سمجھیں تو پھر یہ کہنا تو درست نہ ہوا کہ مجتہد غلطی بھی کر سکتا ہے اور صحیح بھی ہو سکتا ہے۔ اور اگر ہم سے ہمارے عقائد اور ہمارے مخالف کے عقائد کے بارے میں پوچھا جائے تو پھر یہ کہنا واجب ہے کہ ہم جو کہہ رہے ہیں وہ حق ہے اور ہمارے مخالف جو عقیدہ رکھتے ہیں وہ باطل ہے۔ اور مشائخ رحمہم اللہ سے اسی طرح منقول ہے۔ یہ وہ رائے ہے جو متکلمین کے ہاں پائی جاتی ہے کہ فروع میں تو ایک دوسرے کے عذر کو تسلیم کیا جائے لیکن عقائد یا اصولی باتوں میں نہیں۔ لیکن یہ چیز سلف کے مذہب کے خلاف ہے‘ جو ہر غلطی میں عذر کو تسلیم کرتے ہیں‘ کیونکہ اللہ عزوجل نے جب ہمیں یہ کہنا سکھایا: ﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا﴾ (البقرة:۲۸۶) ’’اے رب ہم سے پوچھ گچھ نہ کر اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کر بیٹھیں‘‘۔ تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ’’میں نے ایسا ہی کر دیا۔‘‘

ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: ’’اور اصولی مسائل اور صفاتِ باری تعالیٰ‘ تقدیر اور امامت وغیرہ سے متعلق مسائل کہ جن میں اہل ایمان کے فرقوں کا اختلاف ہوا ہے‘ اسی قبیل میں سے ہیں کہ یہاں ایسے مجتہد بھی ہیں جو صحیح ہیں اور ایسے بھی جو غلطی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ غلطی کرنے والا زیادتی کر رہا ہو‘ اور ایسے زیادتی کرنے والے بھی ہیں جو بغیر اجتہاد ایسا کر رہے ہیں‘ اور ان میں ایسے بھی ہیں کہ جہاں صبر کا حکم دیا گیا ہے وہاں صبر کا دامن ان سے چھوٹ جاتا ہے۔‘‘(۲)

آئندہ بیان کردہ ضابطوں میں‘ ان شاء اللہ‘ مزید تفصیل آتی رہے گی‘ اور جو شخص فروع میں عذر کو تسلیم کرتا ہے تو اسے دوسری غلطیوں میں بھی عذر کو تسلیم کرنا چاہیے‘ اس لیے کہ شریعت نے دونوں باتوں میں فرق نہیں کیا ہے۔

حواشی

(۱) غمزعیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر‘ ۷:۲۶۳۔ (۲) الاشقاتہ‘ ۱:۳۷۔

❁❁❁

ضابطہ نمبر۳:

حق کو قبول کرنے پر نفس کو آمادہ کیے رہنا

جب کبھی دینی مسائل میں سے کسی مسئلہ کے حکم کے بارے میں یا کسی نص کے سمجھنے میں اختلاف واقع ہو جائے اور ایک شخص اپنے ساتھی سے فہم میں اختلاف کرے یا اس رائے کو ترجیح دے جو دوسرے کے نزدیک مرجوع ہے تو پھر چار صورتیں ہو سکتی ہیں' اور یہاں پانچویں کا کوئی احتمال نہیں: یا تو دونوں غلطی پر ہوں یا دونوں درست رائے رکھتے ہوں' یا ایک غلطی پر ہو اور دوسرا درست ہو' یا یہ کہ ان دونوں میں سے ایک ایک لحاظ سے درست ہو اور ایک لحاظ سے غلط ہو۔ اب رہا یہ احتمال کہ دونوں درست ہوں تو اہل سنت والجماعت کے اعتبار سے ایسا نہیں ہو سکتا' کیونکہ حقیقت میں ہر مسئلہ کا ایک ہی حکم ہو سکتا ہے' یہ نہیں ہو سکتا کہ دو آدمی اختلاف کریں اور دونوں ہی درست ہوں۔ باقی تینوں صورتیں واقع ہو سکتی ہیں۔ یعنی دونوں اگر مسئلہ کی چھان بین کریں اور ایک شخص کی رائے کی صحت ظاہر ہو جائے تو دوسرے شخص کے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ اس راجح رائے کو قبول کرے اور اپنی فہم اور اپنی رائے کو چھوڑ دے' اور پہلے شخص کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے بھائی میں نقص نکال کر ایسی باتیں نہ کرے کہ وہ حق قبول کرنے پر آمادہ نہ ہو۔ ایک انسان چونکہ دوسرے شخص کی فہم اور اس کی دلیلوں سے واقف نہیں ہوتا اس لیے وہ اپنے آپ کو درست سمجھتا ہے' کیونکہ وہ صرف اپنے دلائل کی روشنی میں بات کر رہا ہوتا ہے' لیکن جب اسے اپنی غلطی کا احساس ہو جائے تو اس کے لیے لازم ہے کہ اپنی غلطی سے باز آئے اور یہ وہ مرتبہ ہے کہ کم ہی لوگ یہاں تک پہنچتے ہیں۔

امام غزالی ؒ حاتم الاصم کے حوالہ سے کہتے ہیں:

''میں تین خصلتوں کا مالک ہوں کہ جن سے میں اپنے مخالف پر غالب آتا ہوں۔ وہ یہ کہ اگر وہ درست ثابت ہو جائے تو میں خوش ہوتا ہوں اور اگر وہ غلطی کرے تو میں غمگین ہوتا ہوں اور اس کے ساتھ جہالت سے پیش آنے سے اپنے نفس کو روکے رکھتا ہوں۔ یہ بات امام احمد بن حنبل ؒ تک پہنچی تو انہوں نے کہا: سبحان اللہ! کیا عقل کی بات کہی ہے!''

اس کے بعد امام غزالی اپنے زمانے کے بیمار دل والوں کے بارے میں کہتے ہیں:

''اپنے زمانہ کے مناظرہ کرنے والوں کو دیکھو' اگر ان کے مخالف کی زبان پر حق جاری ہو جائے تو ان کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے' اور پھر ان کی ندامت کو دیکھو اور کیسے کیسے جہاں تک ہو سکے وہ اس کا انکار کیے چلے جاتے ہیں اور ساری عمر اس کی مذمت کیے رہتے ہیں۔''

پھر ایک مناظرہ کے لیے یہ شرط رکھتے ہیں کہ:

''حق کی طلب میں اسے ایسا ہونا چاہیے جیسا ایک کھوئی ہوئی چیز کا تلاش کرنے والا ہوتا ہے' اس کے نزدیک اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ گمشدہ چیز اسے ملے یا اس کے کسی مددگار کو' وہ اپنے ساتھی کو مخالف نہیں بلکہ مددگار سمجھتا ہے اور اس کا شکریہ ادا کرتا ہے کہ اس نے اسے غلطی کا احساس دلایا اور اس کے سامنے حق کو ظاہر کر دیا۔''(۱)

مشہور عالم العز بن عبد السلام اپنے زمانے کے لوگوں کے تعصب اور اپنے مخالفین کی زبان پر ظاہر ہونے والے حق کی عدم پیروی پر تعجب کرتے نظر آتے ہیں۔ وہ ارشاد فرماتے ہیں:

''اس کا ہمارے اسلاف کے مناظروں سے کیا مقابلہ!! جو مسائل کی تحقیق میں مشورہ کرتے اور اس حق کو تسلیم کرنے میں کوئی دیر نہ لگاتے جو مخالفین کی زبان پر ظاہر ہو جاتا۔ امام شافعی ؒ سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے جب کبھی کسی سے مناظرہ کیا تو دل میں یہ کہا: اے اللہ! اس کے دل میں اور اس کی زبان پر حق جاری کر دے' اگر حق میرے ساتھ ہو تو وہ میری بات مان لے اور اگر حق اس کے ساتھ ہو تو میں اس کی بات مان لوں۔''(۲)

یہ ہے وہ ایمان پرور روح کہ اگر موجود ہو تو حقیقت واضح ہو جائے' دلوں میں اُلفت پیدا ہو جائے' فتنہ وفساد کے دروازے بند ہو جائیں اور اُمت کی صفوں میں اتحاد و یگانگت کا دور دورہ ہو۔

حواشی

(۱) احیاء علوم الدین ۱:۶۴۔

(۲) قواعد الاحکام ۲:۱۳۶۔

❀❀❀

(جاری ہے)

اسلام، ڈچ گیرٹ وائلڈرز اور یورپ

محمد عمران خان☆

نیدرزلینڈ (Holland) مغربی یورپ کا کثیر آبادی والا ملک ہے۔ اسکے شہر روٹرڈیم کی بندرگاہ یورپ کی سب سے بڑی بندرگاہ ہے۔ سترھویں صدی میں ولندیزی (Dutch) سامراج نے بھی برٹش، پرتگیز اور فرنچ استعماری ممالک کی طرح اپنی چارٹرڈ کمپنیوں سے ابتدا کرتے ہوئے کم وبیش دنیا کے ۱۶ ممالک کو اپنی نوآبادت (colonies) میں بدل ڈالا تھا۔ ڈچ میری ٹائم ٹریڈنگ کمپنیاں اس زمانہ میں دنیا کی سب سے بڑی تجارتی کمپنیاں تصور کی جاتی تھیں۔ نیدرزلینڈ میں اگر مذاہب کا تناسب دیکھا جائے تو تقریباً ۵۰ فیصد آبادی غیر مذہبی عقائد و خیالات کی حامل ہے، یعنی وہ کسی بھی مذہب سے اپنے تعلق کی نفی کرتی ہے۔ ۲۳٫۷ فیصد رومن کیتھولکس جبکہ ساڑھے پندرہ فیصد پروٹسٹنٹ عیسائی اور دس فیصد مسلمان ہیں۔ ان مسلمانوں میں سلفی، سنی، شیعہ، اہل قرآن کے علاوہ غیر مسلم قادیانی (تقریباً ۱۵۰۰) بھی شامل کیے جاتے ہیں۔ مسلم آبادکاروں میں اکثریت کا تعلق ترکی، مراکش اور انڈونیشیا سے ہے۔ اس کے علاوہ کچھ مزید اقلیتیں بھی یہاں آباد ہیں، جن میں بدھ مت کے علاوہ کم وبیش ۴۵ ہزار یہودی ہیں۔

نیدرزلینڈ پارلیمنٹ کا رکن، دائیں بازو کا پاپولسٹ فتنہ پرست اور قانون دان گیرٹ وائلڈرز (Geert Wilders,1963، سابقہ کیتھولک عیسائی) اپنی اسلام مخالف سرگرمیوں کی وجہ سے ساری دنیا میں بدنام ہے۔ ۳۱ اگست ۲۰۱۸ء کو اسے رسالت مآب ﷺ کے خلاف اپنے اعلان کردہ خاکوں کے مقابلہ (۱۰ نومبر ۲۰۱۸ء) کو اس وقت منسوخ کرنا پڑا جب عالم اسلام کی جانب سے اس کے اس غیر اخلاقی، اسلام کے خلاف جارحانہ اور عالمی امن و سلامتی کے خلاف ابلیسانہ اقدام پر شدید ردِعمل سامنے آیا۔ اگر اس کے فکری و خاندانی بیک گراؤنڈ کو دیکھا جائے تو واضح دکھائی دیتا ہے کہ وہ ایک کٹر یہودنواز (Pro-Israel) سیاستدان ہے اور

☆ imrann2010@gmail.com

اسرائیلی مفادات کو ترجیحی اہمیت دیتا ہے۔ اس کا باپ طباعتی کمپنی کا مالک تھا اور جنگ عظیم دوم (۱۹۳۹ء-۴۵) میں جب ایڈولف ہٹلر (۱۸۸۹ء-۱۹۴۵ء) یہودیوں کو تادیبی کارروائیوں کا نشانہ بنا رہا تھا، اس نے چھپ کر اپنی جان بچائی۔

وائلڈرز نے کم عمری میں ہی عیسائی کلیسا (چرچ) کو خیرباد کہا اور لاادری (Agnostic) اور ملحدانہ خیالات اپنا لیے۔ تاہم وہ عیسائیت کو اپنا روایتی حمایتی بھی گردانتا ہے۔ اس کے سیاسی و مذہبی خیالات کی استواری میں اس کا نوجوانی کا اسرائیلی سفر و قیام (دو سال) بنیادی کردار کا حامل رہا ہے۔ اس نے مغربی کنارہ پر موشاوتومر میں رضاراکانہ خدمات بھی انجام دیں۔ ۲۰۰۸ء میں اسرائیل میں منعقدہ ''فیسنگ جہاد کانفرنس'' کے علاوہ وہ گزشتہ سالوں میں اسرائیل کے کم وبیش چالیس دورے کر چکا ہے اور اسرائیل کو دنیا کی سب سے پسندیدہ جگہ اور تزویراتی حیثیت سے مغرب کی پہلی Defense Line قرار دیتا ہے۔ کئی نمایاں امریکی اسرائیلی سپورٹر اس کی پارٹی (پارٹی فار فریڈم، PVV) کی مالی امداد کرتے ہیں (نیدرز لینڈ چینل)۔ اس کا کہنا ہے We (in the West) all are Israel۔ وہ اسرائیل کو ڈچ پارلیمنٹ میں خصوصی مقام دلانے کا خواہشمند بھی ہے اور ڈچ پارلیمنٹ سے بھی وہ پولیٹیشن آف دی ایئر کے کئی ایوارڈ حاصل کر چکا ہے۔ وہ یورپی یونین کا بھی سخت مخالف رہا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ یورپی یونین (EU) اور اس کی کرنسی یورو کا کوئی مستقبل نہیں ہے اور وہ تقریباً دم توڑ چکی اور اپنی آخری سانسیں لے رہی ہے۔ (EU more or less Dead.)

اس نے اپنے سماجی و سیاسی کیریئر کے آغاز سے ہی اسلام مخالف شناخت کو تقویت پہنچائی اور اس کے خلاف اپنی مہم جاری رکھی ہے۔ یہ جاہل و متعصب شخص قرآن کا موازنہ ایڈولف ہٹلر کی مائن کیمف (Mein Kampf) سے کرتا ہے اور نیدرز لینڈز میں قرآن پر پابندی کا زبردست مدعی ہے۔ مساجد کی تعمیر کو ممنوع قرار دینا چاہتا ہے (نیدرز لینڈ میں کم وبیش چار سو مساجد ہیں)۔ مسلم خواتین کے ہیڈ اسکارف اور برقع پر پابندی میں بھی سرگرم رہا ہے (یاد رہے! مراکشی و ترکش بیک گراؤنڈ کی تقریباً ساٹھ فیصد خواتین اسکارف استعمال کرتی ہیں)۔ وہ مسلم ممالک سے مہاجرین کی آمد پر پابندی کا مطالبہ کرتا ہے اور نیدرز لینڈ کی دیگر اقلیتوں کے خلاف امتیازی قانون سازی بھی اس کے ایجنڈے میں سرفہرست رہی ہے (یاد رہے Pim Fortuyn جو کہ ایک ڈچ ہم جنس پرست، پاپولسٹ سیاستدان، مصنف و پروفیسر تھا اور اقلیتوں کے خلاف اقدامات،

اسلام مخالف پروپیگنڈے اور تارکین وطن کے خلاف اپنے متنازعہ بیانات کے باعث مشہور رہا‘ ۲۰۰۲ء میں وولکرٹ گراف نامی سرگرم اینیمل رائٹ کارکن کے ہاتھوں قتل ہوا۔ وولکرٹ نے وجہ قتل بتاتے ہوئے کہا کہ وہ معاشرے کے کمزوروں کو مسلسل تنقید و تشنیع کا نشانہ بنایا کرتا تھا)۔ وائلڈرز کی اسلام مخالف فلم ’’فتنہ‘‘ (۲۰۰۸ء) شدید تنقید سے دوچار ہوئی‘ جس میں اس نے اسلام کے تصورِ جہاد کی من مانی تشریح و توضیح کرنے کی نامراد کوشش کی۔

نسل پرست (racist) وائلڈرز اپنی ان شیطان صفت اور فتنہ پرور سرگرمیوں کی وجہ سے مسلسل دھمکیوں کی زد میں رہتا ہے (نیدرز لینڈ کی ڈچ تنظیم ’’ہوفسٹاڈ‘‘ کی جانب سے بھی اسے دھمکی ہے)‘ لہٰذا پولیس کا مسلح محافظ دستہ اس کا محاصرہ کیے رہتا ہے اور حکومتی فراہم کردہ بلٹ پروف گھر میں ہمہ وقت زیرنگرانی ہے۔ وہ گھر سے پارلیمان اور دفتر سخت پولیس محاصرہ میں بلٹ پروف جیکٹ پہن کر ہی جاتا ہے۔ اپنی بیوی کرسٹینا وائلڈرز سے سکیورٹی کی وجہ سے ہفتہ میں صرف ایک بار ہی مل پاتا ہے۔ اس کا دفتر ڈچ پارلیمان میں سب سے الگ ایک کونہ میں واقع ہے۔ وائلڈرز کا کہنا ہے کہ: ’’اس کی زندگی کی حالت ایسی ہے کہ وہ کسی کٹر دشمن کے لیے بھی ایسی زندگی کی تمنا نہیں کرتا‘‘۔ گویا زمین اپنی تمام تر فراخی و وسعت کے باوجود اس پر تنگ کر دی گئی ہے۔

اگر براعظم یورپ کی مجموعی صورتحال کا جائزہ لیا جائے تو یورپ بھر میں دو کروڑ سے زائد مسلمان آباد ہیں۔ ان مسلمانوں کی اکثریت گزشتہ صدیوں میں استعماری جارحیت کے نتیجہ میں دربدر ہوئی تھی اور کچھ وہ بھی تھے جو غالب مغرب کی مرعوبیت اور بہتر معیارِ زندگی کی تلاش میں یہاں آئے۔ ان مغربی کلونیل پاورز کی استعمارانہ تجارتی تاریخ (Imperialist Mercantile History) کا اگر مطالعہ کیا جائے تو بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان تجارتی لٹیروں نے مسلمان ملکوں اور انکی معیشتوں کو کس بری طرح لوٹا کھسوٹا اور جاتے ہوئے اپنے تربیت یافتہ افراد و خاندان اور انسٹی ٹیوشنز یہاں کے عوام پر مسلط کر گئے‘ جو تا حال نیوکلونیلزم (Neo-Colonialism) کے تحت ان ممالک کے وسائل کو بے دریغ ذاتی و استعماری مفادات میں استعمال کر رہے ہیں۔ تیسری دنیا کے یہ تارکین وطن یورپ میں کئی سالوں بلکہ دہائیوں کی بود و باش اور افزائش نسل کے بعد اب یورپی باشندے بن چکے ہیں۔ اپنے آباء و اجداد کی نسبت یورپ کا یہ مسلم نوجوان اسلام کے بارے میں کسی ہچکچاہٹ‘ مرعوبیت و معذرت خواہی‘ شرمندگی اور احساسِ کمتری کا شکار نہیں‘ بلکہ وہ اسلام میں فخر و اطمینان پاتا ہے۔ دورِ حاضر کی مغربی

تارکین وطن مخالف پالیسی (Anti-Immigrant Policies and Laws) اسی فکر کے گرد گھومتی ہے کہ مغرب کا یہ مسلمان طبقہ کسی شناختی بحران (Identity Crisis) کا شکار نہیں ہے۔ وہ یورپ کو اگر اپنا وطن تصور کرتا ہے تو اسلام کو اپنا طرزِ حیات باور کرتا ہے۔ ترک نژاد فرانسیسی سوشیالوجسٹ نیلوفر گول نے اپنی کتاب The Daily Lives of Muslims میں انہی موضوعات و مسائل پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

اسلام یورپ اور امریکہ کی سیاست میں گزشتہ دو دہائیوں سے مرکزی موضوع بلکہ مسئلہ بنا ہوا ہے۔ مغرب اپنی تہذیبی شناخت اور نسلی برتری بحال کرنے کے لیے ہر سطح اور ہر فورم پر سرگرمی دکھا رہا ہے۔ دائیں بازو کے قوم پرست و پاپولسٹ امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ‘ نیدرز لینڈ کا گیرٹ وائلڈرز اور دیگر مغربی انتہا پسند سیاسی لیڈروں کے لیے مغرب میں اسلام کا ابھرنا ایک ڈراونے خواب سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ مغرب میں اینٹی اسلام اور تارکین وطن کی مخالفت مضبوط رجحان کی صورت اختیار کرتی جا رہی ہے۔ اس حوالہ سے آسٹریلیا کے وزیر داخلہ وولف گینگ سوبوٹکا نے بیان دیا ہے کہ ’’جہاں تک ملک کی داخلی سلامتی اور عوامی نظم و ضبط کا تعلق ہے‘ مجھے یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ کون میرے ملک میں داخل ہو رہا ہے‘‘۔ اقوام متحدہ جینیوا کے ڈائریکٹر مائیکل مولر نے خبردار کیا ہے کہ یورپ کمر کس لے‘ افریقہ‘ ایشیا اور مشرقِ وسطیٰ سے لاکھوں تارکین وطن کا سیلاب براعظم یورپ میں اُمڈنے والا ہے۔ اسی طرح یورپی یونین کمشنر برائے تارکین وطن دمترس آورمپولوس نے کئی یورپی ممالک سے شینگین سرحدوں (Schengen boundaries) کے کنٹرول کو سخت کرنے کی ہدایت کی ہے۔ (یورپی یونین کے ۲۶ ممبر ممالک کے درمیان پاسپورٹ فری زون کو شینگین کہا جاتا ہے)۔ فرانس کی نیشنل فرنٹ‘ اٹلی کی نیشنل لیگ‘ برطانوی انڈیپنڈنس پارٹی اور نیدرز لینڈ میں گریٹ وائلڈرز کی ’’پارٹی فار فریڈم‘‘ مشرقِ وسطیٰ‘ افریقی اور ایشیائی پناہ گزینوں کے حوالہ سے سخت پالیسیوں پر زور دے رہے ہیں۔ امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کی ریپبلکن پارٹی بھی اس معاملہ میں کسی سے پیچھے نہیں ہے۔

یورپ کے مذکورہ غالب رجحانات کا اثر ہے کہ یہاں کے سیاسی و سماجی ماحول میں سیاسی نظریہ ’’دائیں بازو پاپولزم‘‘ (Right Wing Populism) کی مقبولیت میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔ دائیں بازو پاپولزم کے نمایاں اہداف و مقاصد یہ ہیں:

☆ اسلام پر تنقید اور بڑھتی و مؤثر ہوتی مسلم آبادی کے خلاف سخت اقدامات

☆ تارکینِ وطن کی مخالفت

☆ یورپی یونین اور یورو کرنسی کی مخالفت

☆ ترکی کے یورپی یونین میں شامل ہونے کی مخالفت

''رائیٹ ونگ پاپولزم'' صرف نیدرز لینڈ میں ہی نہیں بلکہ تمام یورپ میں مقبولیت حاصل کر رہا ہے۔ جنگ عظیم دوم کے بعد سے یورپ بھر میں پاپولزم مقبول ترین سیاسی نظریے کی شکل میں ظاہر ہوا ہے۔ مغربی ماہرین جن میں ریان کوپر بھی شامل ہے' کی نظر میں اس کی بڑی وجہ وہ عظیم کساد بازاری (Great Recession) تھی جو اس صدی کے آغاز یعنی گزشتہ دہائی (۱۰-۲۰۰۰ء) کے دوران عالمی معیشت میں دیکھی گئی۔ عالمی مالیاتی فنڈ (IMF) کے مطابق یہ ۱۹۳۰ء کے عالمی دباؤ (Great Depression) کے بعد دنیا کا سب سے بڑا مالیاتی یا معاشی دباؤ تھا۔ (یاد رہے! اس ''گریٹ ڈپریشن'' نے امریکی رئیل اسٹیٹ مارکیٹ سے ۱۹۲۹ء سے شروع ہو کر ۱۹۳۰ء تک ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا)۔ معروف امریکی اسکالر ولیم گیلسٹون کے مطابق یہ رجحان یورپ میں لبرل ڈیموکریسی کے لیے تباہ کن ثابت ہوگا۔ وہ مختلف یورپی ممالک میں پاپولزم کی مقبولیت کی مثالیں دیتے ہوئے کہتا ہے کہ ۲۰۱۲ء کے عام انتخابات میں نیدرز لینڈ میں لیبر پارٹی کے ووٹ ۲۴ء۸ فیصد سے کم ہو کر ۲۰۱۷ء تک صرف ۵ء۷ فیصد تک رہ گئے۔ گویا پارلیمنٹ میں اس کی نمائندگی ۳۸ سیٹوں سے کم ہو کر ۹ سیٹیں رہ گئیں۔

(The Rise of European Populism and the Collapse of the Center-left by William A Galston- March 2018. The Great Recession clearly gave rise to Right-Wing opulism by Ryan Cooper)
http://theweek.com/articles/685813/great-recession-clearly-gave-rise-rightwing-populism

جاوید احمد غامدی صاحب کے فکری تلمیذ خورشید احمد ندیم اپنے کالم یورپ میں پاپولزم کا مستقبل (مارچ ۲۰۱۷ء) میں لکھتے ہیں:

''ہالینڈ کے انتخابات میں پاپولزم کے علَم برداروں نے نعرہ لگایا کہ یہاں رہنا ہے تو ڈچ کلچر کو اپنانا ہوگا۔ ۱۵ مارچ (۲۰۱۷ء) کے انتخابات میں ہالینڈ کے عوام نے اس منشور کو

مسترد کر دیا۔ پاپولزم کے نمائندہ وائلڈرز کو شکست ہوئی۔ وزیراعظم مارک وٹ کی پارٹی نے اکثریت حاصل کی...... میرا خیال یہ ہے کہ پاپولزم کی عمر ہمیشہ مختصر ہوتی ہے۔''

جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ نیدرز لینڈ کے منتخب پرائم منسٹر (مارک وٹ) بھی لبرل کنزرویٹو اور دائیں بازو پاپولزم ہی کے حامی ہیں۔ گیرٹ وائلڈرز بھی اس کی پارٹی کا رکن رہا' پھر ۲۰۰۴ء میں اپنی الگ پارٹی ''پارٹی فار فریڈم'' (PVV) بنالی اور اپنی متنازعہ مگر مقبول عام (populist) پالیسیوں کی بدولت وہ کچھ ہی عرصے میں (۲۰۱۷ء کے انتخابات میں) نیدرز لینڈ کی دوسری بڑی سیاسی جماعت کے طور پر اُبھرا۔ اس کے علاوہ نیدرز لینڈ میں تھیری بوڈیٹ کی ''فورم فار ڈیموکریسی'' (FvD) بھی دائیں بازو کی پاپولسٹ ڈیموکریسی کی ترجمان سیاسی جماعت ہے۔ لہٰذا سیاسی پنڈت یا پولیٹیکل اینالسٹ یورپ بھر میں ان پارٹیوں کی قبولیت کو پاپولزم کی بڑھتی مقبولیت کے تناظر میں دیکھ رہے ہیں۔ ۱۵ مارچ ۲۰۱۷ء کے ڈچ جنرل الیکشن میں سینٹر رائیٹ کے ۲۰۱۰ء سے چلے آتے پیپلز پارٹی فار فریڈم اینڈ ڈیموکریسی (VVD) کے پرائم منسٹر مارک وٹ نے ایک تند و تیز پیغام میں پناہ گزینوں (immigrants/ refugees) کو نیدرز لینڈ کے لادینی کلچر کو کلیتاً اختیار کرنے یا ملک چھوڑ دینے کا حکم دیا۔ (Act normal or go away)

(https://www.theguardian.com/world/2017/jan/23/netherlands-pm-mark-rutte-dutch-citizens-open-letter-pvv)

مذکورہ مختصر تجزیہ سے یہ چند نکات بطور حاصلِ بحث اخذ کیے جاسکتے ہیں:

۱۔ نیدرز لینڈ' ورلڈ ہسٹری میں ایک استعماری و استحصالی ریاست کے طور پر جانا جاتا رہا ہے۔

۲۔ گیرٹ وائلڈرز کے اینٹی اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف غیر معتدل و بے قابو شخصی جذبات میں اس کی یہودنوازی اور الحادی نظریات کا بڑا دخل ہے۔ وہ مختلف فوبیاز یا خوف کے شکار مریض اور غیر مطمئن انسان کی سی زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔

۳۔ گزشتہ صدیوں میں مغربی ممالک کا رخ کرنے والے تیسری دنیا کے باشندوں' خصوصاً مسلمانوں کی نئی نسل (New Generation) یورپ' امریکہ' آسٹریلیا کو اپنا آبائی وطن ماننے سے دستبردار ہونے کو تیار ہرگز نہیں' بلکہ وہ اپنے اس حق کے لیے مغربی قانون اور ہیومن رائٹس کے دائرہ میں رہتے ہوئے ہر پلیٹ فارم پر ردِعمل ظاہر کر رہے ہیں اور سرگرمِ عمل نظر آتے ہیں۔

۴۔ گیرٹ وائلڈرز یورپ میں بڑھتے ہوئے اسلامی عنصر کے خلاف مغربی اجتماعی ماحول کی

پیداوار ایک یورپی نمائندہ شخصیت (Anti-Islamic European Model) ہے۔وہ کوئی انفرادی یا شخصی سطح کا معاملہ نہیں۔پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف اس کا بغض وعداوت‘ فلم اور خاکوں کی شکل میں کھل کر سامنے آیا ہے‘ جیسا کہ اس سے قبل فرانسیسی میگزین چارلی ہیڈو (Charlie Hebdo) نے اپنی رذیل وکمینہ پرور اور کج فطرتی کا ثبوت ۲۰۰۶ء میں رسولِ عربی ﷺ کے گستاخانہ کارٹونز کی صورت میں دیا تھا۔

۵۔نیدرز لینڈ سمیت اکثر یورپین اسٹیٹس اور ان کی پاپولس یعنی عوام اسلاموفوبیا (Islamo phobia) کا بری طرح شکار ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اگر ایک مغربی اوباش عام مسلمان خواتین پر جارحانہ حملے کرتا ہے تو مغربی حکومتیں اسلام کے مختلف شعائر ومقامات پر بے جا پابندیاں عائد کر کے اپنے اس نادیدہ خوف وڈپریشن کا اظہار کرتی ہیں۔

۶۔ سرمایہ دارانہ نظام (Capitalist Economy) کے معاشی وسماجی بحرانوں اور پھر انہی مغربی ظالم وجارح اور سازشی طاقتوں کی مشرقِ وسطیٰ اور افریقہ میں پیدا کردہ صورتحال (عرب بہار و مسلح جنگوں اور بغاوتوں Arab Spring & Armed Conflicts) کے نتیجہ میں یہ مسلم ممالک شدید عالمی انسانی المیہ (Global Human Crisis) کا شکار ہیں۔ خانہ جنگی‘ قتل وغارت گری‘ بھوک وافلاس‘ علاج معالجہ کی ناپید صورتحال اور جان ومال کے ناقابل تلافی نقصان جیسی صورتحال کا انھیں سامنا ہے۔

۷۔رائیٹ ونگ پاپولزم کا سیاسی نظریہ اور اس کی نمائندہ پولیٹیکل پارٹیز مغربی ممالک میں اپنی جڑیں مضبوط کر رہی ہیں‘ کیونکہ مغرب کیپیٹل سسٹم کی پیدا کردہ معاشی وسماجی اور خود کاشتہ عالمی بدامنی کے نتائج اپنے ہی جغرافیہ اور سرحدوں کے اندر بھگتنے کی جانب بڑھ رہا ہے۔

۸۔یورپ میں یورپی یونین (EU) کے دن گنے جا چکے ہیں اور نیدرز لینڈ سمیت کئی علاقائی ممالک برطانیہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس یورپی اتحاد سے اپنا پیچھا چھڑانے کے لیے محفوظ راستے (Safe Passages) تلاش کر رہے ہیں۔

۹۔ غامدی فکر‘ مرعوبینِ مغرب کی وہ جدید پود ہے جن کا سررشتہ ماضی میں سرسید احمد کی کم علم مرعوبیت اور مولانا شبلی کی معذرت خواہانہ اسلامی تاویلات وتشریحات سے جا ملتا ہے۔اور ظاہر ہے ان کی یہ بقائے باہمی کی روش اسلامی امتیازی تشخص اور باعزت بقا کے لیے کسی طرح مفید نہیں ہو سکتی۔ ۞۞۞

بقیہ: عرضِ احوال

مسلمانوں کے پورے کے پورے شہر اُجاڑ دیے گئے ہیں‘ لاکھوں لوگ بے گھر ہو چکے ہیں‘ لاکھوں مارے جا چکے ہیں اور ہزاروں میتیں ملیامیٹ شہروں کے ملبے تلے دبی ہوئی ہیں۔ چھوٹے چھوٹے بچے مہلک کیمیائی ہتھیاروں کے وار کر کے جس قدر سفاکی اور درندگی سے اذیت ناک موت سے دوچار کیے گئے ہیں اس کی مثال پوری انسانی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔

حقیقت صاف ظاہر ہے‘ جب مسلمان حکومتیں خود اپنے مسلمان شہریوں پر اس قدر ستم ڈھائیں گی تو پھر اسلام دشمن قوتوں کو مسلمانوں کا خون بہانے سے کون روکے گا؟ یہی وجہ ہے کہ جوں جوں شام میں مسلمانوں پر ظلم بڑھ رہے ہیں اسی تناسب سے اسرائیل فلسطین میں اور بھارت کشمیر میں سفاکی پر اُتر رہے ہیں۔ایسے میں ہم قتل اُمت کا لہو کس کے ہاتھ پر تلاش کریں جب وہی درد دینے لگے جنہیں اُمت کے درد کی دوا بننا تھا۔کسی شاعر نے شاید اسی لمحے کے لیے کہا تھا۔

باغباں نے آگ دی جب آشیانے کو مرے
جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے!

۞۞۞

روئے ارضی پر اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین نعمت یقیناً قرآن حکیم ہے!
ہدایت قرآنی سے استفادہ کیسے کیا جائے؟
اس سوال کے جواب کے لیے ملاحظہ کیجیے کتابچہ:
قرآن مجید پر ایمان کے عملی تقاضے
از **حافظ عاکف سعید** حفظہ اللہ امیر تنظیم اسلامی
۞ خوبصورت سرورق ۞ امپورٹڈ بک پیپر ۞ عمدہ طباعت
۞ صفحات: 32 قیمت: 25 روپے
مکتبہ خدام القرآن 36۔کے‘ ماڈل ٹاؤن لاہور
فون: 35869501 (042) ای میل: maktaba@tanzeem.org

Oct 2018
Vol.67

Regd. CPL No. 115
No.10

Monthly **Meesaq** Lahore

رسولِ اکرم ﷺ کی عظمت، آپ ﷺ کے مقصدِ بعثت، اسوۂ رسول ﷺ کے قرآنی تصور، سیرتِ نبوی ﷺ کے مختلف گوشوں، خاص طور پر آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے انقلابی پہلو جیسے علمی و عملی موضوعات پر 9 کتابوں کا مجموعہ

رسولِ اکرم ﷺ اور ہم

از ڈاکٹر اسرار احمدؒ

دیدہ زیب ٹائٹل کے ساتھ

516 صفحات پر مشتمل فکر انگیز تالیف

اشاعت خاص (مجلد):
امپورٹڈ آفسٹ پیپر، قیمت: 450 روپے

اشاعت عام (پیپر بیک):
امپورٹڈ بک پیپر، قیمت: 300 روپے

مکتبہ خدام القرآن لاہور

36۔کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور فون: 3-042-35869501

maktaba@tanzeem.org